اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃً وَّاِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحرًا

سپاس بیقیاس یزدانی کہ ایں دیوانِ لاثانی مسمی بہ

"نظمِ دلفروز"

معروف بہ

دیوان انور

ازتصنیف شہنشاہ اقلیمِ سخن قبضۂ شمشیر علم وفن نخلبندِ گلشنِ معانی شیرازہ بندِ دفتر نکتہ دانی ظہوری ظہور نظیری نظیر سید شجاع الدین حسین معروف بہ امراؤ مرزا انور دہلوی تلمیذِ رشید خاقانیٔ ہند ذوق مرحوم ونواب اسد اللہ خان غالب مغفور

سنہ ۱۸۹۹ع

بہ حسن اہتمام مولوی سید ممتاز علی صاحب مالک مطبع

در مطبع رفاہِ عام لاہور حلیۂ طبع پوشید

ردیف الف

مطلوبِ کُل ہے محو جمالِ جمیل کا
عالم پہ دشنہ تیز ہے تیرے قتیل کا

ہے فیض عام لمعہ حُسنِ جمیل کا
عاشق کا دل جواب ہے عرشِ جلیل کا

مظہر ہے تُو ظہورِ کثیر و قلیل کا
عالم ہے قطرہ قطرہ میں دریائے نیل کا

شمشیر کو دیا خمِ ابروئے دل شگاف
جوہر نگاہ میں دمِ تیغِ اصیل کا

ہے ایک نکتہ قُدرتِ نیرنگ کار سے
قصّہ ترنج و تیغ و بُتانِ شکیل کا

ہے بہرِ وہم مصرِ حقیقت حصار بند
کرتی ہے کام فرِّ جلالت فصیل کا

چاہے تو فیل ہو صفتِ کاہ پائمال
چاہے تو بارِ کاہ سے ٹپکے نخیل کا

ثابت ترا وجوب ہے کالشمس فی النہار
عالم ہے مثلِ طائرِ شپّر دلیل کا

بیمار تیرے عشق سے ہوائے خوش نصیب
احساں علیل پر ہے مزاجِ علیل کا

مُجرم ترا ہُوں اور تجھی پر ہے آسرا
لُطف اللہ نام ہے میرے کفیل کا

قُدرت تو سب طرح کی ہے عادت نہو نہو
منظور ہو تو سر ہو فلک پر تخیل کا

تیرا کرم تجھی کو سزاوار ہے کہ ہے
مجھکو بھی ولولہ ترے وصفِ جمیل کا

ہوتا ہے بُوئے حُجّت ظاہر سے بد دماغ
کچھ اور ہی مزاج ہے تیرے علیل کا

بے غم ہے نفسِ وسوسہ آرا سے قلب پاک
قصّہ ہے یاد کعبہ کو اصحابِ فیل کا

یہ کچھ گناہ اور تری رحمت پہ ہی یقیں
عصیاں پہ مستحق ہوں ثوابِ جزیل کا

قانع ہوں کیا ترے کلمہ گو بہشت پر
اجرِ کثیر سُنتے ہیں خیرِ قلیل کا

جب دی ہے تابِ مرحلہ پیمائی طلب
توڑا ہے پہلے پائے جسارت دلیل کا

کیا حُجّت و کلام سے ہو نشر بوئے راز
غُنچہ کیا ہے تو نے دہن قال و قیل کا

ہی تیرے مصرِ صنع میں کارِ دمِ سکُوت
بازار تو نے سرد کیا قال و قیل کا

جمتی نہیں نظر رُخِ گلزار و ناز پر
دِل سوختہ ہوں آتشِ جانِ خلیل کا

ازبسکہ تو کہیں نہیں اور پھر کہاں نہیں
ہے بُعد تجھ سے قُرب جو ہی جبرئیل کا

ساری ہی سوز درد ہی ہیں لُطفِ سازِ خاص
نارِ سعیر میں ہی گلستاں خلیل کا

آیا نہ راہ پر قدمِ طالبانِ تاب
نکلا نہ پاؤں حُجلہ سرا سے دخیل کا

جو چشمِ آفتاب میں ذرّہ کی ہی نمود
انور وہاں یہ رُتبہ ہی عرشِ جلیل کا

نہ کچھ اخفا نہ کچھ اظہارِ محمدؐ دیکھا
اور سب کچھ دمِ گفتارِ محمدؐ دیکھا

وادیِ صبر کو گلزارِ محمدؐ دیکھا
سخت تر جادۂ پُرخارِ محمدؐ دیکھا

چشمِ حق بیں کو ضیائے سرمۂ مازاغ سے دی
خوش نگاہی کو جو ہنجارِ محمدؐ دیکھا

نرگسیں باغ ہے چشمانِ ملائک سے فلک
خلد ہی کو نہیں گلزارِ محمدؐ دیکھا

کون ہے منزلِ دنیٰ فتدلیٰ میں مکیں
سرِّ حق شاملِ اسرارِ محمدؐ دیکھا

مسکنِ عشقِ خدا ہے وطنِ حُبِّ نبی
پُر فضا سینۂ ابرارِ محمدؐ دیکھا

فلسفی عقل پہ نازاں ہے تو کشتی ہے تباہ
لطمۂ قلزمِ زخّارِ محمدؐ دیکھا

نفس کا بچنا پیدا ہے دمِ بشری سے
ہے علی رونقِ بازارِ محمدؐ دیکھا

دیکھتا ہوں تجھے اے چرخ کہ دیکھا کیا کچھ
خاک میں گوہرِ شہوارِ محمدؐ دیکھا

حق پرستی نہیں کچھ کام کی بے حُبِّ نبی
ہاں موحِّد کو گنہگارِ محمدؐ دیکھا

منزلِ قدس تک آساں ہے پہنچنا انورؔ
شرع کو جادۂ ہموارِ محمدؐ دیکھا

دونوں عالم سے جدا کارِ محمدؐ دیکھا
فکر کو قاصرِ کردارِ محمدؐ دیکھا

اسکو زار اور اُسے بیمارِ محمدؐ دیکھا
دونوں عالم کو طلبگارِ محمدؐ دیکھا

حق سے پیوستہ ہیں ہو خواب کہ بیداری ہو
اثرِ طالعِ بیدارِ محمدؐ دیکھا

درد وہ ہے کہ شفا کیجئے جس پر قرباں
طالعِ فرخِ بیمارِ محمدؐ دیکھا

ماہ کو دیکھ کے معراج کی حجت ہے تمام
صاف نقشِ سُمِ رہوارِ محمدؐ دیکھا

کیا یہ احسان ہے تھوڑا کہ سب اُنکے ہیں غلام — ہر سر و دوش پہ اک بار محمدؐ دیکھا
بارِ بخشائشِ عالم کو اُٹھا رکھا ہے — بو العجب دوش گرانبارِ محمدؐ دیکھا
یہ جہاں گردِ زمیں پر وہ فلک پر جویاں — خضر و عیسیٰ کو طلبگارِ محمدؐ دیکھا
آتشِ عشقِ جمالِ اَدَبی سے ہر دم — گرم ہنگامۂ بازارِ محمدؐ دیکھا
اُمّتی آپ کہیں سب کہیں نفسی نفسی — بڑھ کے مخلوق سے کردارِ محمدؐ دیکھا
غنچہ آسا ہوئے لب بستہ فصیحانِ عرب — شورِ شیرینیٔ گفتارِ محمدؐ دیکھا
یہ وُہی نُور ہے مُوسیٰ پہ رہا جو مستور — اَے تماشائی دیدارِ محمدؐ دیکھا
دُرّۃ التّاج ہو دہیم شفاعت کے لئے — اِسکے قابل دُرِ شہوارِ محمدؐ دیکھا

صدقے اِس آنکھ کے اِس شوق کے قُرباں انور
کہ تصور ہی میں دیدارِ محمدؐ دیکھا۔

ہاں کچھ اَے واقفِ اسرارِ محمدؐ دیکھا — کہ کہاں جلوۂ انوارِ محمدؐ دیکھا
نُورِ حق شاملِ انوارِ محمدؐ دیکھا — جب کھُلا پردہ وہ اسرارِ محمدؐ دیکھا
طُور پر عرش پہ دیدارِ محمدؐ دیکھا — جابجا جلوۂ انوارِ محمدؐ دیکھا
دلمیں ہے آپ کے اُلفت کی کھٹک رُوح فزا — پھُول سے بڑھ کے کہیں خارِ محمدؐ دیکھا
دیدیا جان و جگر کو رہِ حق میں خوش خوش — سہل تر سہل سے دُشوارِ محمدؐ دیکھا
دِل میں حیرت سی ہے اور مُنہ سے نہیں کہہ سکتے — وُہ تماشا سرِ بازارِ محمدؐ دیکھا
گو وُہ۔ خالق نہ سہی واسطۂ خلق تو ہے — سب کو اک مظہرِ انوارِ محمدؐ دیکھا

نورِ حق نے محل اپنا کوئی دیکھا نہ مگر
سینہ آئینہ کردارِ محمد دیکھا

غور کر حمد و محمد پہ خدا نے یعنے
اپنی نسبت کو سزاوارِ محمد دیکھا

وہ بھی اک رنگ کہ موسیٰ سے چھپایا سرِ طور
یہہ بھی اک جلوہ کہ دیدارِ محمد دیکھا

رنگ پر ہے شبِ معراج چمن بندئ انس
عالمِ قدس پہ گلزارِ محمد دیکھا

بسکہ لولاک سے ہے بستۂ احسانِ جناب
عرش و کرسی کو تہِ بارِ محمد دیکھا

دوست ہوتا ہے تو کیا دوست سے رکھتا ہے عزیز
حق نے کیا کچھ نہ سزاوارِ محمد دیکھا

اوجِ ہمسائگئ عرش پہ یہ عجز و نیاز
خاک پر سایۂ دیوارِ محمد دیکھا

آپ جو کرتے ہیں اللہ وہی کرتا ہے
عقل کو حیرتئ کارِ محمد دیکھا

جو دقیقہ کہ کسی پر نہ کھلیگا نہ کھلا
آشنائے لبِ اظہارِ محمد دیکھا

دوست کا بارِ شفاعت بھی اُٹھاتے ہی نبی
حق کو لذت کشِ تکرارِ محمد دیکھا

شمع و پروانہ کے برتاؤ یہ کیا بات ہوئی
ذوقِ جانبازئ انصارِ محمد دیکھا

حق کو سمجھے ہیں وہ کچھ اور انہیں حق سمجھا ہے
ما عرفناک سے اظہارِ محمد دیکھا

آمد و شد ہوئی اک چشم زدن میں شبِ وصل
کس نے ہنگامۂ رفتارِ محمد دیکھا

جلوہ حق ہے محمد میں نمایاں انور
چار سو جلوۂ دیدارِ محمد دیکھا

غزلیات

تری صورت کو دیکھا اور آنکھیں کھل گئیں کیا کیا
نظر آیا جمالِ معنی حسن آفریں کیا کیا

دِل آزاری کی پرستش ایک دن ہو گی تو وہاں کیا غم
کئے ہیں ظلم اُس نے بے حساب اور دلنشیں کیا کیا

قوی ہے سوئے سجدہ ضُعف سے میرے کہ اُس در پر
گری پڑتی ہے میرے گرنے سے پہلے جبیں کیا کیا

وہاں مستی کے عالم میں بھی اِک رنگِ مداوا ہے
جُھکی جاتی ہے پیشِ غیر چشمِ شرمگیں کیا کیا

جو سچ پوچھو تو کچھ عاشق سے بڑھکر تم جفاکش ہو
کہ اتنی نازکی پر غیر کی باتیں سہیں کیا کیا

بڑھائی اُس نے قدرِ کم نگاہی کس قدر یارب
کہ اُس کی ترک خود بینی پہ ہوتا ہے یقیں کیا کیا

نمودِ حشر ہے موقوف اُس کی چال پر شائد
کہ دل کی شورشیں اُٹھ اُٹھ کے دِل میں رہگئیں کیا کیا

محبت حد سے گذری عرصۂ فرقت کہاں پہنچا
وُہ مجھ سے دُور ہیں کیا کچھ کہ میں دل کے قریں کیا کیا

تعلق اُن سے اُس کو اور چھپانا چاہئے دِل سے
مجھے آفت میں لایا ہے غمِ پردہ نشیں کیا کیا

مجھے وحشت تمہیں نخوت کسے الزام کچھ دیجیے

ہم از خود رفتہ کیا ہیں تم بھی آپے میں نہیں کیا کیا

بپا ہوتا ہے دورِ چرخ میں اِک حشر بھی مجھ پر
بھرے بیٹھا ہوں دل میں نالہائے آتشیں کیا کیا

تصورِ سرد مہری کا تری ہے زندگی اپنی
ہوئے ہیں دِل میں ٹھنڈے نالہائے آتشیں کیا کیا

نظر ملتے ہی وہ کچھ ہو گیا جو کچھ کہ ہونا تھا
پشیماں ہو رہا ہے دیدۂ انجام بیں کیا کیا

مجھے بھی ضعف و رسوائی نے تجھ سا ہی بنایا ہے
کہ تو حُسن و حیا سے ظاہر و پنہاں نہیں کیا کیا

رہیگا زخمِ دِلِ ناکام لُطفِ بیقراری کیوں۔
کہ مُشک افشاں ہے ہر سُو بُوئے جعدِ عنبریں کیا کیا

اُنہیں تھمنے نہیں دیتا کسی جا اضطراب اپنا
پریشاں دل میں ہے وہاں فکرِ اندازِ کمیں کیا کیا

کیا غماز اپنا ہم نے پیدا ہاتھ سے اپنے
زباں بنکر کہے دیتا ہے چاکِ آستیں کیا کیا

نہیں گو ضُعف سے لیکن اسی ساماں سے پھر کچھ ہوں
ہوئے ہیں پردہ دَر دامان و جیب و آستیں کیا کیا

جفا سے وُہ خجل ہیں کَون اب جاتا ہے محشر تک
ہمارا فیصلہ بس ہو گیا انور یہیں کیا کیا

دیگر

جہاں ڈھونڈھا نہ پایا اُسکو دیکھا تو یہیں کیا کیا
پھری ہے دُور جا جا کر نگاہِ دُور بیں کیا کیا

نہاں سینہ میں رازِ غم ہے اور پیدا نہیں کیا کیا
کہے دیتی ہے دِل کی صُورتِ اندوہگیں کیا کیا

اجل ہے سر پہ تو بھی زیست کا ساماں نہیں کیا کیا
اُمیدیں رکھتی ہیں دِل کو مرے اندوہگیں کیا کیا

وُہ آشوبِ تجلّی جلوہ آرائے نمائش ہے
مرے پانوں تلے کی نکلی جاتی ہے زمیں کیا کیا

ترے کُوچہ میں ہر ہر نقشِ پا پر سجدہ کرتا ہوں
مِلاتا خاک میں ہے مجھکو یہ شوقِ جبیں کیا کیا

چھری میرے گلے پر پھیر دے اور اُف نہ کرنے دے
ادا کرتی ہے مطلب وُہ نگاہ سُرمہ گیں کیا کیا

بایں طاعت نہ پُوچھا تا دمِ مُردن جو اُس بُت نے
تو پیمانِ ازل یاد آئے وقتِ واپسیں کیا کیا

دِل وجاں جل چُکی ہیں غم بھی اُس کا جل گیا ہو گا

کہ ہے گھر پھونکنے پر تیز آہ آتشیں کیا کیا

چمک اُٹھتا ہے رنگ حُسن دونا بادہ خواری سے
مگر ہے غازۂ خُونی یہ آب آتشیں کیا کیا

مقابل اپنے جلوہ کے نظر آتا نہیں کچھ بھی
ہماری حسرتیں اُنکی نظر میں چھا گئیں کیا کیا

ترے آنے کی سُنکر ساتھ ہی آنکھوں میں دم آیا
مگر سرگرم استقبال ہے جانِ حزیں کیا کیا

حیا سے ہے وُہ سر زانو پہ اور کچھ کچھ نمایاں ہے
ہلال آسا نظر آتا ہے وُہ ماہِ جبیں کیا کیا

مجھے اُس کی نگاہِ مصلحت اندیش نے مارا
لڑیں آنکھیں عدو سے مجھ سے مِلکر جھک گئیں کیا کیا

نہ فکر اُسکا نہ غم اِس کا محیطِ دِل ترا غم ہے۔
کوئی دیکھے تو دِل خوش ہیں ترے اندوہگیں کیا کیا

یہ کافر ماجرائے طاعتِ اصنام ہیں انورؔ
ہوے تھے حق سے آخر عہد و پیمانِ متیں کیا کیا

دیگر

ہُوا روز سیہ اپنا بھی جادو آفریں کیا کیا
کہ میرے ہوش بنکر اُڑ گئے ہیں ہمنشیں کیا کیا

یہ حُسن اور اُس سے پیدا غمزۂ سحر آفریں کیا کیا
شکستہ ہو گیا پیمان ارباب یقیں کیا کیا

ہوائے اَوج بعدِ قتل یہاں سر میں نہیں کیا کیا
غبار آسا اُڑ گئی اپنے مقتل کی زمیں کیا کیا

دو چار اس چشم سے ہوتے ہی اک چپ لگ گئی گویا
خُدا جانے نگاہیں چُپکے چُپکے کہہ گئیں کیا کیا

پیامِ قتل پر ہی شُکرِ رُعبِ حُسن واں لازم
جو پوچھیں تو مرے دِل میں تمنائیں نہیں کیا کیا

نہیں ممکن کہ گذرے ایک دِن یکساں زمانے میں
کہ پھرتا ہے تمہاری وضع پر چرخِ بریں کیا کیا

اِدھر شوخی اُٹھاتی ہے اُدھر تمکین بٹھاتی ہے
کشاکش میں ہے اپنے ہاتھ سے وُہ نازنیں کیا کیا

مری جانب سے شائد کاروانِ مصر کھچ جاوے
کمند افگن ہے ہر سو بوئے جعدِ عنبریں کیا کیا

دکھانے کو حیا ہے پر اُٹھائے بار کون اتنا
جُھکا جاتا ہے نازِ حُسن سے وُہ نازنیں کیا کیا

رہے امروز و فردا مشق ضبط شکوہ اچھّا ہے

کہ ہوگی پرسشِ روداد روزِ آخریں کیا کیا

مجالِ دم زدن ہے وقتِ ناوک خوردگی مشکل

ہوئی ہے دل میں اپنے خوں صدائے آفریں کیا کیا

مذاقِ مدعی ہے تلخ و کامِ دوست ہے شیریں

سخن میں بھر دیا - انور نے زہر و انگبیں کیا کیا

دیگر

نہ لب پہ ہو ذکر مہر وکیں کا نہ دیکھے اک اشک مُنہ زمیں کا

وہ ضبط ہو عاشقِ حزیں کا یہ ربط ہو چشم و آستیں کا

ہوا جو پیوند میں زمیں کا طفیل ہے فہم دور بیں کا

اشارہ اُس چشم سُرمگیں کا شریک ہے جذبِ آطیں کا

نہ ہو جگر میں جو نم تو کیا ہے کہ تنگیِ دل ہی گریہ زا ہے

کہ خون گھٹ گھٹ کے ہو رہا ہے خیال دل میں کہیں کہیں کا

ہوا ہے بے ڈھب ہی ماجرا کچھ کہ عذر پھیکے ہیں اُنکے کیا کچھ

نصیبِ دشمن مگر ہوا کچھ اثر نہیں لب میں انگبیں کا

وصال بے سوز ہو رہا ہے پیام کچھ روز ہو رہا ہے

عدو بد آموز ہو رہا ہے کہ حرف سیکھا نہیں نہیں کا

گمان کچھ کچھ جو آگیا ہے تو درد ہے جو مری دوا ہے

کہ مجھ کو اک زہر جا نگزا ہے خیال لبہائے شکریں کا

یہاں تقاضائے مرگ سر پر وُہ شوق صید افگنی میں مضطر
گریگا نظروں سے مجھ سے بڑھکر جو فکر وہاں دلمیں ہے کمیں کا

نہ ہو جو امکاں میں وُہ ہوا ہے تحیّر آنکھوں میں چھا گیا ہے
جو پردہ اُس نے اُٹھا دیا ہے حجاب ہے رُوئے شرمگیں کا

وُہ ناتوانی سے بے نشاں ہوں کہ لاکھ ڈھونڈو مگر کہاں میں
یہ دیکھنے میں جو کچھ عیاں ہوں طلسم ہے جیب و آستیں کا

یہ شوق دیدار میں ہوں فانی کہ ہو گیا عین بے نشانی
کہوں اگر میں بھی لن ترانی تو لب ہے کچھ نہ خوردہ بیں کا

ہوا ہے قتل جہاں مناسب کے خوں بہا کا ہے کون طالب
دیت ہے اپنی تو اُنپہ واجب کہ خوں ہوا طبع نازنیں کا

رقیب ہے اپنے فن میں کامل ہزار میں ہے یہ ایک عاقل
دمِ سوالِ وصالِ جاہل سخن سمجھتا نہیں نہیں کا

ستم ہے عادت ستمگری کی یہ چھوڑ دے طرز خود سری کی
یہ غیر نے آکے ابتری کی کہ خون ہوا عاشقِ حزیں کا

جگر ہے خوں درد جاں ستاں سے عیاں ہے اُس عشوۂ نہاں سے
کہ دست مژگان خوں فشاں سے رہا نہ ہو دامن آستیں کا

اگرچہ کیا کچھ ہے زور وحشت خیال افشا ہے لیکن آفت

مجھے تو اُٹھنا بھی ہے قیامت کہ خوف بیٹھا ہے ہمنشیں کا

بجا ہُوا مُجھ کو خاک ہونا کہ تھا مقدّر میں یُوں ہی لکھا
رقم ہی خطِّ غبار سے تھا نوشتہ گردِ یکھتے جبیں کا

ہوئے اُس خاک دَر کے سجدے ملال نُزاو ہاں صفائی تن سے
غبار جو کچھ ہے دِل میں اُنکے وُہ پرتوا ہے مرے جبیں کا

کہیں سرِ طُور جلوہ افگن کہیں درِ دَیر اُن سے روشن
وہاں قدم ہے جلے جائے مسکن ہمیں تو رکھا نہیں نہیں کا

ابھی ہے کچھ رسم وراہ باقی کہ دل میں ہے اشک و آہ باقی
رہی ہے کچھ کچھ جو چاہ باقی۔ تو وار اوچھا ہے تیغِ کیں کا

اگرچہ اُٹھے نہ پشت پا سے نہ جائے ہرچند اپنی جا سے
ملا ہے لیکن ہزار ہا سے اشارہ اُس چشمِ سُرمگیں کا

نہیں کوئی سامنے تو کیا ہے جہاں ترا صید ہو چکا ہے
کہ دام گُسترہ جا بجا ہے شمیم گیسوئے عنبریں کا

خیالِ گیسو جو یہاں رہا ہے تو دِل یہ خوشبو سے بس گیا ہے
کہ داغ جو عشق سے پڑا ہے ہُوا ہے نافہ وُہ مُشکِ چیں کا

جو ہاتھ آئے وسیلہ انور۔ عُروج پستی میں ہو مقرّر
کہ اُس کے کُوچہ کی خاک ہو کر دماغ ہے عرش پر زمیں کا

وُہ جلوہ رُخسارِ آتشیں کا وُہ عکس پرتاب اُس جبیں کا
یہ صاعقہ رختِ کفر و دیں کا چراغ وُہ خلوتِ یقیں کا
نہیں ہے پابند وُہ کہیں کا جہاں میں پرتو ہے اُس حسیں کا
کہ سطح سطحِ زمیں زمیں کا ہوا ہے حصہ سری زمیں کا
جو بے نیازی سے یہاں نہ آیا تو شوقِ بیداد کھینچ لایا
کہ صید جب کوئی بھی نہ پایا تو اُس نے رستہ لیا یہیں کا
نہیں ہے وحشت میں ہوش اصلاً نظر میں یکساں ہے پست و بالا
زمیں پہ دھوکا مجھے فلک کا فلک پہ ہوتا ہے شک زمیں کا
نہ حکمِ غیرت کہ نام کچھ لے نہ جا سکے جذبِ دل سے چھٹکے
تو پوچھتا ہے کسی کسی سے کہ گھر کہاں ہے کسی حزیں کا
جھُکے جھُکے آئے ہیں حیا سے عیاں ہے صیدافگنی ادا سے
کھلا یہ ہے طرزِ دلربا سے کماں بھی اک ڈھنگ ہے کمیں کا
یہ طعنہ کم ہے کہ بے دہن ہو یہ شرم کیسی کہ چھُپکے بیٹھو
زباں کو دشنام ہی پہ کھولو دہن تو ہو بند نکتہ چیں کا
ظہور ہے عینِ پردہ داری حجاب میں وہاں ہے بے حجابی
ادا میں ایک چھیڑ ہے حیا کی حیا میں ایک نور ہے جبیں کا
نظر ہے یہاں تیرے اوج و شاں پر فغاں سے برپا کیا جو محشر

کہ سر پہ کوچہ ترا اُٹھا کر بنا دیا آسماں زمیں کا
جو دل میں مجھ سے کدورت آئی تو واں زیاں ہے نہ یاں لڑائی
مکیں نے قدرِ مکاں گھٹائی مکاں سے رُتبہ بڑھا مکیں کا
یہ سرد دِل ہے جو عبرت افزا کہ دل بجھا عشق سے عدو کا
ہوا ہے بازار سرد کیسا تمہارے رُخسار آتشیں کا
جو کیجے اظہار مطلب اُن سے تو چاہیے پہلے مدح کر کے
یہ مست مدہوشِ حُسن کیجے کہ ہوش باقی نہ ہو نہیں کا
جہان کُشتہ ترا نہیں ہے یہ ہاتھ اپنے میں تیغ کیں ہے
اگر تو بیداد آفریں ہے قصور ہے اپنی آفریں کا
نفس نفس میں ہے شورِ محشر سخن میں ہے اُس سے بڑھ کر
لیا عبث خونِ خلق سر پر کہ قصہ چھیڑا دلِ حزیں کا
ہُوا جو انکار حد سے باہر تو مثل اقرار خود سمجھ کر
ہوا ہے عرضِ طلب کو رہبر طریق انکی نہیں نہیں کا
گری ہے یہ برق دل پہ انورؔ نظر نہ لگ جائے ہو مقرر
خیال رُخسار آتشیں پر سپند چشم تال ہیں کا

یوسفِ حُسن کا حُسن آپ خریدار رہا — پہلے بازار ازل مصر کا بازار رہا
بسملِ ناز رہا کُشتۂ رفتار رہا — زندگی بھر مجھے مرنے سے سروکار رہا

جُرمِ ناکردہ عقوبت کا سزاوار رہا
شیخ سرشارِ سیہ مستئ پندار رہا

پردۂ چشم جو پابسِ ادبِ یار رہا
مَیں رہا سامنے تو بھی پسِ دیوار رہا

دِل یہ شادئ جراحت سے ہوا بالیدہ
کہ ترا تیر یہاں تا لبِ سوفار رہا

گِر کے نظروں سے تری پھر نہ زمیں سے اُٹھا
مَیں سُبک بھی جو ہُوا تو بھی گرانبار رہا

آج ہی آج ہے فردائے قیامت موجود
دو گھڑی اَور جو ہنگامۂ رفتار رہا

طُور تو برقِ تجلّی سے ہوا خاکستر
اَور مَیں سوختۂ حسرتِ دیدار رہا

رحم اِس سادہ دلی پر کہ مِرا زخمِ جگر
غیر سے چارہ و درماں کا طلبگار رہا

مَیں وُہ اِک مجرمِ تعذیر طلب ہوں کہ سدا
بدلے دشمن کے عقوبت کا سزاوار رہا

بسکہ دِل میں رہی اِک کشمکشِ یاس و اُمید
درد جو دِل میں رہا جان سے بیزار رہا

اب وُہ فردا بھی نہیں روز کی تسکیں کیلئے
اب فقط حشر ہی پر وعدۂ دیدار رہا

پی بھی جا شیخ کہ ساقی کی عنایت ہے شراب
مَیں ترے بدلے قیامت میں گنہگار رہا

خوش ہوں چُپ رہنے سے اُن کے دمِ پیغامِ وصال
کہ یہ انکار تو کچھ شاملِ اقرار رہا

سر پہ پھرتا ہی رہا اور نہ گرا مجھ پہ کبھی
آسماں بن کے ترا سایۂ دیوار رہا

گرچہ کیا کچھ تھے مگر آپ کو کچھ بھی نہ گنا
عشق برہم زنِ کاشانۂ پندار رہا

تم نے یُوں گھر میں تو کیا کچھ نہ اُٹھائے فتنے
ایک قیامت کا اُٹھانا سرِ بازار رہا

ہائے وُہ چشم کہ دیکھے تجھے سرگرمِ ادا
وائے وُہ دِل کہ ترا محرمِ اسرار رہا

مَیں رہا بھی تو رہا خار کی صورت کہ سدا
تیری نظروں میں سُبک دِل پہ ترے بار رہا

چشمِ پرُ نشۂ ساقی جو رہی عکس فگن
چور مستی سے ہر اک ساغرِ سرشار رہا

ہُوں میں وُہ جنس کہ ہُوں رونق بازار کساد
ہُوں وُہ سودا کہ خریدار بھی بیزار رہا

کچھ خبر ہوتی تو میں اپنی خبر کیُوں رکھتا
یہ بھی اک بیخبری تھی کہ خبردار رہا

تھک گئے بیٹھے ہو درِ صومعہ پر کیا انورؔ
دو قدم اور کہ یہ خانۂ خمار رہا

خدنگِ نگہ دِل کُشا ہو گیا
ستم قابلِ مرحبا ہو گیا

مجھے صید کرنا بجا ہو گیا
نشانہ ترا بے خطا ہو گیا

محبت میں بھی کیا سے کیا ہو گیا
ستم عاشقوں کو وفا ہو گیا

زمانہ ترا مُبتلا ہو گیا
مجھے ظلم اُٹھانا بجا ہو گیا

وُہ آنکھیں بنیں ہائے کیا ہو گیا
وُہ کافر تو اب کچھ نیا ہو گیا

مزا جب ہے ضد کا کہ تو مجھ سے مِل
فلک یار اغیار کا ہو گیا

نہ مانونگا فرہاد تھا کوہ کن
کہ دن کاٹنا یہاں بلا ہو گیا

مری جان کے وُہ ہوئے مدعی
مگر غیر کا مُدعا ہو گیا

تمہیں یہاں تک آنا قیامت سہی
ہمیں جیسے جانیمیں کیا ہو گیا

ستم یکطرف ناز اُٹھائیگا کون
مزاج اب یہاں غیر کا ہو گیا

کبھی یاس ہے اور کبھی ہے اُمّید
دم اس کشمکش میں خفا ہو گیا

تمہیں توڑنا رشتۂ اتحاد
مری توبہ کا توڑنا ہو گیا

گئی زندگی موت کی فکر میں ۔ کہ اک زیست کا مشغلہ ہو گیا
جبیں سائے خاکِ رہِ یار ہے ۔ نیا ایک عدو نقشِ پا ہو گیا
وہ پہلو میں ہے تو بھی یہ فکر ہے ۔ کہ اب شوخیوں سے جُدا ہو گیا
زمیں پر ادھر چلتے ہیں ناز سے ۔ چلن اِک جہاں سے جُدا ہو گیا
کہو یہ کہ ہے غیر کا حال کیا ۔ کہوں کیا کہ تو بیوفا ہو گیا
اُمیدیں اِدھر کچھ سے کچھ ہو گئیں ۔ غضب وہاں جو کم ایک ذرا ہو گیا
بشر ہوں نہ کھاؤں تو کیونکر جیوں ۔ غم و غصّہ میری غذا ہو گیا
خوشی میں نہ سمجھے دمِ ذبح ہم ۔ تہِ خنجر اپنا گلا ہو گیا
اشاروں پہ ہیں سر کٹے بے کہے ۔ نہ کہنا بھی کہنا سزا ہو گیا
نزاکت سے پردہ جو اُٹھتا نہیں ۔ تو وُہ پائے بندِ حیا ہو گیا
گرا کر مجھے اُٹھنے دیتا نہیں ۔ مگر ضُعف زور آزما ہو گیا
اسی بُت کو تاکا ستم بھی کیا ۔ میں اپنی نظر پر فدا ہو گیا
لبوں پر یہاں جان ہے آ رہی ۔ نگہ پر تری آسرا ہو گیا
شبِ غم میں کس کس کی ہو روک تھام ۔ جو دِل تھم گیا دم خفا ہو گیا
محبّت یہاں جتنی بڑھتی گئی ۔ وُہ اُتنا ہی نا آشنا ہو گیا
یہ ان میٹھی نظروں نے مارا مجھے ۔ ترا لُطف قہرِ خُدا ہو گیا
قضا سے قضا جو ہوا ہے ستم ۔ وُہ اُس کج ادا سے ادا ہو گیا

مجھے بیکسی روتی ہے دل کو میں
مرا گھر بھی ماتم سرا ہو گیا

وہ بگڑے تو خوش ہوں دمِ ذکرِ غیر
ٹھکانا مری بات کا ہو گیا

قیامت کے آنے میں کیا دیر ہے
اگر یہاں سے جانا ترا ہو گیا

نہ اُٹھو ذرا پہلوئے غیر سے
یہ دیکھو کہ طوفاں بپا ہو گیا

حنا تیرے قدموں سے ہے پائمال
کوئی پائمالِ حنا ہو گیا

ستم ہے کہ چھُٹتا نہیں ہاتھ سے
یہ خنجر بھی رنگِ حنا ہو گیا

پسِ مرگ آنا تو اُنکا بخیر
سہارا مجھے موت کا ہو گیا

نہ چھوٹا یہاں جادۂ راستی
فلک اور بھی کج ادا ہو گیا

قیامت بھی اکدن کہیں آ چکے
میں آخر تو نذرِ بلا ہو گیا

رہا نیستی میں بھی یہاں رنگِ بود
کہ میں مٹ کے نقشِ فنا ہو گیا

مری موت آئی تھی اب آ گئی
تری کم نگاہی سے کیا ہو گیا

مری ابتدا انتہا ہو گئی
نظر ملتے ہی فیصلہ ہو گیا

مدار اک نظر پر ہے یہاں موت کا
تجھے فرض ادھر دیکھنا ہو گیا

ہوا بیحجابی سے دونا حجاب
کہاں ہم کہ جب سامنا ہو گیا

گلا ہے مرا حلقِ دشمن نہیں
تجھے خنجرِ یار کیا ہو گیا

یہ اُس رہ میں ہوں صرفِ واماندگی
کہ ہنگامہ ہر نقشِ پا ہو گیا

یوں ہی زندگی کاٹیے تابحشر
کہ اب انکا وعدہ وفا ہو گیا

نہیں انور اُس کی نظر سے دوچار
اجل سے مگر سامنا ہو گیا

دیکھا جو بعد مرگ تو مرنا زیاں نہ تھا
فانی کے بدلے ملک بقا کچھ گراں نہ تھا

شب کو بغل میں تھا بھی تو وہ دلستاں نہ تھا
شوخی یہ کہہ رہی تھی کہ یہاں تھا وہاں نہ تھا

ہو وجہ منہہ چھپانے سے جو تھا نہاں نہ تھا
پر خیر تھی کچھ اس میں کہ میں بدگماں نہ تھا

یہ تو نہیں کہ اب کے وہ مطلق وہاں نہ تھا
لیکن سوال وصل یہ کہنے کو ہاں نہ تھا

وہ بت ہی کہوں زمیں پہ جو بلہ گراں نہ تھا
ہمسنگ لیکن اسکا مگر آسماں نہ تھا

حسرت کے صدقے آنکھ کے ملتے ہی کھل گیا
وہ کچھ کہ ممکنات سے جسکا بیاں نہ تھا

نالہ جو اپنا پایۂ تاثیر سے گرا
اتنا سبک ہوا کہ میں اتنا گراں نہ تھا

تھے بزم میں وہ غنچۂ افسردہ شرم سے
کیونکر کہوں بہار میں رنگ خزاں نہ تھا

کیسی حیا کہاں کی وفا پاس خلق کیا
ہاں یہ سہی کہ آپ کو آنا یہاں نہ تھا

سب کام اپنی ایک نگہ پر ہیں منحصر
گویا مرے لئے تو بنا آسماں نہ تھا

کیوں مجھ پہ تیز کی نگہ قہر کی چھری
میں دور چرخ میں کوئی سنگ فساں نہ تھا

کچھ اپنے دل کے ولولے کچھ زاہدوں کی ضد
سر پھوڑنے کو ورنہ وہی آستاں نہ تھا

آئینہ کو وہ دیکھتے ہیں اُنکی شکل ہم
تھا ہم کو وہ گماں کہ اُنہیں وہ گماں نہ تھا

انکار محض غلط میزباں سہی
مانا کہ بزم غیر میں تو میہماں نہ تھا

دشمن حریف راہِ وفا ہے خدا کی شاں
وہاں جس پہ تھا یقین مجھے اسکا گماں نہ تھا

حیران ہوں حجابِ جدائی اُٹھا نہ کیوں
وہ نازنیں تھے میں تو کوئی ناتواں نہ تھا

اب آسمان بنکے مرا مدعی بنا
تھی لب پہ کچھ فغاں تو فلک کا نشاں نہ تھا

ٹپکا زمیں پہ گر فلکِ پیر کو تو کیا
پھر یہ کہینگے سب کہ وُہ کچھ نوجواں نہ تھا

کچھ جذبِ دل میں جانکے سمجھے تھے انکو پاس
ایک وہم سے یقین پہ کیا کچھ گماں نہ تھا

گردُوں سے آج ہے فلکِ ظلم پھٹ پڑا
سینہ میں آج ہی دمِ آتش فشاں نہ تھا

حُسنِ جہاں فروز سے جس جا نہ تھے وُہ تھے
میں بےنشانیوں سے جہاں تھا وہاں نہ تھا

یوں خامشی سے خوش کہ وُہ تصویر تھے مگر
یوں بات سے تنگ کہ گویا وہاں نہ تھا

بھاری ہوئے یہاں تو سبک ہوگئی زندگی
وہاں تو نظر سے ہم کو گرانا گراں نہ تھا

تھے بیخودی میں پاس وُہ ہوش آئی تو گئے
چُوکے غضب ہی ہوش میں آنا یہاں نہ تھا

آنا یہ اُنکا صبح کو میری اجل کے ساتھ
یعنے کہ نالۂ شبِ غم رائیگاں نہ تھا

تھا کچھ شکستِ دل سے مرا امتحاں صبیر
وہاں اپنی نازکی کا فقط امتحاں نہ تھا

پھر یوں نہ ہو کہ یہ خوش ہوگئے میں کہوں
شاید کہ تو رقیب پہ بھی مہرباں نہ تھا

میں اور روزِ وصلِ عدو اور شبِ فراق
یہاں آسماں نہ تھا کہ وہاں آسماں نہ تھا

فرہاد کوہ کن تھا یہ اک ہلکی بات ہے
عاشق تھا بیستوں کا اُٹھانا گراں نہ تھا

شب مجھ سے آنکھ ملتی رہی دل رقیب سے
یہاں یوں ستم رہا کہ کسی پر عیاں نہ تھا

تھا دوستوں کا یارِ طریق اور دلوں سے دُور
کیا تھا جو میں غبارِ پسِ کارواں نہ تھا

حیران ہُوں کہ دم میں ترے کیونکہ آگیا
ہیں ورنہ اپنے دلمیں کہاں سے کہاں نہ تھا

مرتا ہوں یوں کہ کیوں نہ رہا دل میں تیر یار
آرام جان تھا کوئی آزار جاں نہ تھا

دیکھا نہ آنکھ اٹھا کے مجھے نازکی سے جھوٹ
ایسا تو کچھ نگاہ کا اٹھانا گراں نہ تھا

خالی در انکا پایا تو دل وہم سے رکا
تھا پاسباں ہیں آپ جو وہاں پاسباں نہ تھا

کس بیدلی سے ہجر میں کی ہم نے زندگی
دل تھا کہاں کہ یہاں وہ بت دلستاں نہ تھا

مٹ جانا اپنا اسکا رہا سب کے دل پہ نقش
ایک یہ بھی تھا نشاں کہ مرا کچھ نشاں نہ تھا

کچھ وہم سد راہ ستم تھا کہ وقت ذبح
میرے گلو پہ خنجر قاتل رواں نہ تھا

انور نے بدلے جان کے لی جنس درد دل
اور اس پہ ناز یہ کہ یہ سودا گراں نہ تھا

ہو رہا ہے ٹکڑے ٹکڑے دل مرے غمخوار کا
ہے مرے زخم جگر میں کاٹ تیغ یار کا

شور ہے غل ہے جہاں میں مردن دشوار کا
ایک چلتا وار ہے تیغ نگاہ یار کا

نغمہ دل کش ہے دشمن عندلیب زار کا
ہے قفس میں بند ہونا کھولنا منقار کا

مست کچھ ایسا ہوں چشم نیم مست یار کا
ظرف خالی جانتا ہوں ساغر سرشار کا

کیا کہوں کیا حال ہے مجھ ناتوان و زار کا
ہوں نگاہ واپسیں اپنی دل بیمار کا

آسماں پھرتا ہے حسب مدعائے مدعی
راہ پر لانا غضب ہے ایسے کج رفتار کا

بل بے بدخوئی مزاج یار میں سو بل پڑے
ایک بل نکلا جو تار گیسوئے خمدار کا

دست ساقی پر لگائے آنکھ رہتا ہے مدام
جام مے ہے دیدۂ حسرت کسی میخوار کا

کسقدر بشاش ہے اسرار سے خالی نہیں
رنگ میرا اڑ گیا منھہ دیکھ کر سوفار کا

ہیں گرفتارِ وفا ہوں چھٹ کے جاؤنگا کہاں
بال باندھا چور ہوں ہر تار زلفِ یار کا

کوئی اک گردش تو ہو ایسی بھی ہاں اے چشمِ یار
شیخ پوچھے مجھ سے رستہ خانۂ خمّار کا

واہ رے قسمت کہ وہ میرے مقدر میں پڑا
آہ نے جو بل نکالا چرخِ کجرفتار کا

لے چلو واعظ کو ہاتھوں ہاتھ اٹھائے میکشو
پاسباں چل کر بنا دو خانۂ خمّار کا

جان سننے والوں کی واعظ لبوں پر آگئی
واہ کیا کہنا ہے حضرت آپ کی گفتار کا

ہے جو افتادوں سے کچھ نفرت تو نفرت ہی سہی
کیوں زمیں پر گر پڑا سایہ تری دیوار کا

شکلِ مرہم دیکھکر ڈرتا ہے میرا زخمِ دل
کھول کر آنکھ اپنی دیکھا ہے جو منہ سوفار کا

نالہ میرے لب تک آتا ہے جو سو سو ناز سے
کوئی پرتو لے اڑا شاید تری رفتار کا

یہ تو ظاہر ہے کہ وصل انکا کہاں اور ہم کہاں
لیکن اس پیغام میں کچھ لطف ہے تکرار کا

دل کو لیجا مجھ سے یا تو آپ لے یا بانٹ دے
پر یہ حصہ ہے تری گیسو کے اک اک تار کا

الاماں اس برشِ تیغِ نظر سے الاماں
مانتی ہے برق بھی لوہا تری تلوار کا

گر یہی انجامِ الفت آن ٹھہرا ہے تو خیر
آج ہی کشتہ سہی میں یار کی تلوار کا

ہاتھ سنبھلا رکھیو اے مشّاطۂ جادو طراز
اک جہانِ دل ہے بستہ طرۂ طرار کا

ہوں تو دیوانہ و لے ہشیاری مطلب تو دیکھ
سر بھی پھوڑا ڈھونڈھکر پتھر تری دیوار کا

کچھ ادھر سے عرضِ مطلب اور ادھر سے کچھ نہیں
اک جداگانہ مزا ہے وصل میں تکرار کا

کتنا گستاخی سے کھینچا ہے تجھے آغوش میں
میں گلے کا ہار ہوں تیرے گلے کے ہار کا

کیوں نہیں گرتا مرے آفت زدوں پر ہائے ہائے
آسماں بھی ہے مگر سایہ تری دیوار کا

چھو گئی کافر ہوا کس کی نگاہ گرم سے
پھول کملایا ہوا ہے کچھ گلِ رخسار کا

ملتی ہے آخر کو کچھ کیفیتِ سوز و گداز
صاعقہ حصہ ہے بھلا طالبِ دیدار کا

ایک جلوہ پر چمک اٹھتی ہے سب اقلیم عشق
ماہِ کنعاں سے ہے شہرہ مصر کے بازار کا

آسماں رکھتا ہے آنکھیں مہر و مہ سے اس سے پوچھ
کون عالم ہے ہمارے دیدۂ بیدار کا

حسن میں خود رفتگی ہے تو نہیں مانع حجاب
بوئے گل کو پھاندنا کیا باغ کی دیوار کا

وہ ہی اپنی چال ہے کوئی مرے کوئی جئے
لے اڑے سارا چلن تم چرخ کجرفتار کا

ناخنِ شمشیرِ قاتل کو دعا دیتے ہیں ہم
عقدہ کھولا خوب انور مردنِ دشوار کا

کس رنگ پر ہے اس تپشِ دل کو دیکھنا
رنگ اڑ گیا ہے صورتِ قاتل کو دیکھنا

وقتِ نویدِ قتل ذرا دل کو دیکھنا
قاتل کو گاہ خنجرِ قاتل کو دیکھنا

یہاں تو کبھی جگر کو کبھی دل کو دیکھنا
ہے وہ کس اضطراب میں قاتل کو دیکھنا

خنجر بکف وہ اور طلبِ بوسہ واہ واہ
حیراں ہوں جرأتِ لبِ سائل کو دیکھنا

کیا جانے کیا سوال ہے اس خوں گرفتہ کا
کس طرح دیکھتے ہیں وہ سائل کو دیکھنا

اللہ رے فرطِ شوقِ اسیری کہ شوق میں
پھروں اٹھا اٹھا کے سلاسل کو دیکھنا

وہاں دل میں عقدہ اور گرہ یہاں زبانِ عذر
مشکل غضب کی ہے مری مشکل کو دیکھنا

دم سینہ میں گرہ ہے تمنائے دید پر
دستِ کشادہ ہے مری مشکل کو دیکھنا

عادت ہے ساتھ تا دمِ آخر کہ دیکھ لے
خنجر گلے پہ اور ترے بسمل کو دیکھنا

سر چڑھ رہا ہے خون کسی مستِ عشق کا
لغزش قدم قدم پہ ہے قاتل کو دیکھنا

اٹھی ہے اسکے صفحۂ رخ سے کہیں نقاب
الٹا ہوا ورق سا ہے محفل کو دیکھنا

تو اور عدو سے گرمئ ہنگامہ ہائے ہائے
میں اور یاس سے تری محفل کو دیکھنا

نادان و خود پسند و حسین و تنک مزاج
وہ اور آئینہ میں مقابل کو دیکھنا

صیاد و خندہ زن نہ گل و غنچہ نالہ کش
کیا بے نمک ہے شورِ عنادل کو دیکھنا

انور یہ ایک قہر ہے اس خود پسند کو
یوں آئینہ میں عکسِ مقابل کو دیکھنا

ہر ایک موئے مژگاں اس شوخ پر جفا کا
یا خنجر اجل ہے یا تیر ہے قضا کا

دل زلف کا ہے مائل یا چشم سرمہ سا کا
وہ تیرہ بخت مارا ہے اک نہ اک بلا کا

وہ غمزہ ہے تو دلکش وہ عشوہ ہے تو جادو
دل کیوں نہ ہو پھر اپنا بسمل تری ادا کا

آ اے دلِ پریشاں آج اس سے چل کے الجھیں
یا بال سترا نکالا یا کاکلِ دوتا کا

سامانِ حسد کدورت بیٹھے ہیں دل میں بھر کر
کس کس کی خاک کا وہ دیکھیں اڑائیں خاکا

تقلیدِ خاکساری ہوتی ہے خاک ہو کر
مٹ مٹ کے ہم نے سیکھا اندازِ نقشِ پا کا

قاتل جفا پہ مائل عشاق خوں گرفتہ
بازار آج کل ہے چمکا ہوا قضا کا

ہر ہر سخن پہ لغزش ہر بات پر ہے لکنت
اور اس پہ ہمکو دعوےٰ اظہارِ مدعا کا

کس کس کا رشک کیجے کس کس کا شکوہ انور
مفتون اک جہاں ہے اس کی ادا ادا کا

مُبتدا انتہا ہے منزل کا
چلنے والا ہوں وادیٔ دِل کا

دیکھنا اضطرابِ بسمل کا
دشنہ رگ رگ گیا ہے قاتل کا

کیوں کہ کہدوں کہ کچھ نہیں ہے لگاؤ
زخم کاری ہے تیغ قاتل کا

ہے انا الحق سراپا کیوں بیداد
گر نہیں ہے رواج باطل کا

وصل سو فصل ہے کہ رنجشِ دِل
کام کرتی ہے حد فاصل کا

عقدۂ دِل زباں پہ آتا ہے
نام کیا لیجے حل مشکل کا

عالم آشوب ہے نظر تو معاف
کون طالب ہے فیض شامل کا

بے نیازی پہ ناز کتنا ہے
جان نثاری ہے جُرم مائل کا

دِلِ بینا سے جو حجاب اُٹھا
وُہ ہی پردہ ہے چشم غافل کا

پرتوہ آب کا سراب میں دیکھ
سایہ دریا میں دیکھ ساحل کا

دورِ ساغر ہے زندگی اپنی
حال گرداب میں ہے ساحل کا

جُزو ذاتِ حبیب ہے عاشق
نام دریا ہے نام ساحل کا

میں اور اُلجھاؤ دِلکی وحشت میں
حُکم رکھتے ہیں سو سلاسل کا

آئینہ دیکھتے ہو عکس کہاں
مُنہہ کہاں ہے کسی مقابل کا

نہ سہی دیر کعبہ ہو کے چلو
پھیر ہے انور ایک منزل کا

ہے سہارا حجاب حائل کا
جذب دیکھا نہیں مرے دل کا

رُوئے عاشق میں دیکھ غمِ دل کا
حال بسمل سے پُوچھ بسمل کا

نہ کھلی آنکھ تا کہ کچھ دیکھے
خواب ہے ہر خیال غافل کا

ہے فغاں میں مرے ستم مخفی
گُل سے دِل پھٹ گیا عنادل کا

حق تو یوں ہے کہ حق ہے صولتِ حُسین
ہے یقیں اُنکے قول باطل کا

حشر کو مانتا ہُوں بے دیکھے
ہائے ہنگامہ اُس کی محفل کا

تنگ یہ زندگی سے ہُوں کہ اجل
نام ہے یہاں شفائے عاجل کا

چشم میں اشک کیوں اٹکتا ہے
ہے کوئی مُدعا مرے دِل کا

آسماں پر ہے فرقِ ناز و غرور
تیرے کوچے کے پائے زرگل کا

کشمکش ہے کہ کچھ کہوں نہ کہوں
یہ ہے مشکل میں عُقدہ مشکل کا

اَرِنی سنکے کلیم اللہ
دِل بڑھاتی ہے تیرے مائل کا

کتنے دِل خوش ہیں تیرے زندانی
شور ہے دِل نشیں سلاسل کا

قیس اک مُشتِ خاک اور یہ عزم
لیگیا ساتھ محمل کا

اِک ذرا اور ظُلم اے شبِ ہجر
وقت ہے وقت حل مشکل کا

بند در بند ہُوں کہ ہُوں پابند
اس گرفتاری سلاسل کا

سدِّ رہ گرچہ تھی صعوبتِ راہ
لے اُڑا اشتیاق منزل کا

کم نگاہی کا پردہ کیا کم ہے
کیوں ہے پردہ حجاب حائل کا

سر سے راہِ وفا میں جو گذرا
اُس سے پُوچھو نہ حال منزل کا

ہیں کہاں آپ شوخیِ دل سے — رنگ جمتا نہیں ہے محفل کا
خاک ہے زندگی سہارے کی — حکم ہے ایک بحر و ساحل کا

اسکو سُننا بھی جہل ہے انور
پندِ ناصح سخن ہے جاہل کا

کچھ خوشی کچھ ہے خوفِ بسمل کا — رنگ اُڑنے لگا ہے قاتل کا
دل کو دیکر مزا لیا دِل کا — کھو کے پایا سُراغ منزل کا
کب نکلتا ہے بَل ترے دِل کا — ایک عُقدہ ہے لاکھ مشکل کا
گرچہ بے اصل ہُوں مگر دِل پر — نقش ہے وعدہ ہائے باطل کا
اور ہے لُطف دست و پا زدنی — کیوں تکے مُنہ غریق ساحل کا
جان نکلی نہ کیوں فغاں کے ساتھ — حوصلہ تنگ ہے عنادل کا
خلوت آرائی رقیب نہ پُوچھ — گُل ہوا ہے چراغ محفل کا
طبع دِقّت پسند ہے دمِ قتل — مُدعا سوچتا ہُوں قاتل کا
حُسن وُہ خود نما وُہ جذبۂ عشق — جادہ اک راہبر ہے منزل کا
ہمنفس سے نہ ضد نہ ہیں بے صبر — کیوں کہوں قصہ اپنی مشکل کا
مُجھ پہ بے دانشی کا احسان ہے — کہتے ہیں دشمن اسکو عاقل کا
تمکو حق سے کہیں نہ مانگ اُٹھے — حوصلہ بڑھ گیا ہے سائل کا
مُشکلیں یہ پڑیں کہ ہوش نہیں — سہل پڑھتا ہوں لفظ مشکل کا

کھل گیا منہہ پہ راز سوختۂ قتل
دیکھنا رنگ میرے قاتل کا

آخر آغوش ہم بھی رکھتے ہیں
رشک ہے ربط بحر و ساحل کا

چشم سوئے فلک ہے سوز وصال
منتظر ہوں بلائے نازل کا

ناتوانی کے صدقے ہوں کہ نہیں
فکر پابندیٔ سلاسل کا

نعش اُٹھوائیگا میری تم سے
یہ نہ اُٹھنا حجاب حائل کا

حُسنِ عالم فروز کو دیکھو
کیا تماشا ہے ماہ کامل کا

چھُپ رہا حشر آتے آتے کہیں
شور سُنکر مری سلاسل کا

سادہ دِل ہیں عدو کی بات سُنی
چل گیا نقش نقش باطل کا

آئینہ دیکھنا کہ غش آنا
حال پوچھو ذرا مقابل کا

چونک اُٹھے فتنہ ہائے خفتۂ حشر
غل سا غل ہے مری سلاسل کا

ایک قدم ہمت اور بھی انور
لے چکے ہیں سواد منزل کا

شوق تھا ناتمام بسمل کا
ہاتھ اوچھا پڑا ہے قاتل کا

صاعقہ ہے نفس نفس دل کا
آپ دشمن ہوں اپنی حاصل کا

زیست ہے شغل بیقراریٔ دل
کام کرتی ہے موج ساحل کا

یہ غلط جسپہ آئے وہ ہی سہے
حشر ہے مجھ پہ آفتِ دِل کا

پہلے حسرت کے آنیسے گذرا
دشنہ کتنا رواں ہے قاتل کا

تھی غضب طرزِ پرسشِ ہمدرد
لب تک آیا ہے مدعا دل کا

اتنی اک آرزو پہ جیتا ہوں
کہ بھروسا ہے عشقِ کامل کا

عام کتنی ہوئی حلاوت درد
بو الہوس اور شکر قاتل کا

یار بے درد چارہ گر نومشق
کسکو سونپوں معاملہ دل کا

سب کو مقصود ہے مرا جلنا
بیگناہ ہوں چراغ محفل کا

ہم ہی بیخود تھے ورنہ سو سو بار
پردہ اُٹھ اُٹھ گیا ہے محمل کا

وہم قتل عدو سے مرتا ہوں
ہاتھ جھوٹا پڑا ہے قاتل کا

واجب القتل ضبط آہ سے ہوں
خون سر پر ہے حسرت دل کا

خضر اک راہبر سہی لیکن
ہیں نشاں پوچھتا ہوں منزل کا

برق گرنے لگی ہے مجنوں پر
پردہ اُٹھنے لگا ہے محمل کا

کیا شب وعدہ شاد بیٹھا ہوں
کیا بھروسا ہے جذب کامل کا

اک نظارہ پہ منحصر ہے مرگ
سہل مشکل ہے چارہ مشکل کا

فصلِ گل ہے بندھا خیال شکست
انکو دل کا مجھے سلاسل کا

غرق وہاں ہوں جہاں لگاؤ نہیں
کشتی و بادبان و ساحل کا

تیری نیرنگ نے مٹایا رنگ
قیس و لیلی و نجد و محمل کا

لفظ مشکل پہ لب بھی کھل نہ سکا
ذکر کیسا کشاد مشکل کا

پائے ہرزہ خرام کو توڑا
مجھ پہ احسان ہے سلاسل کا

کچھ تو ہو مزد بخشش بازو ‌ ‌ ‌ کچھ تماشا تو دیکھ بسمل کا

ہم چلے اپنے ہاتھ سے انور
اثر الٹا ہے جذبۂ دل کا

اللہ رے زور شور نسیم بہار کا ‌ ‌ ‌ دنیا میں غلغلہ ہے شکست خمار کا
دل نذر کیوں نہ ہو صفِ مژگانِ یار کا ‌ ‌ ‌ آخر لڑا ہوا ہے مقدر ہزار کا
حد سے گذر گیا ہے قلق انتظار کا ‌ ‌ ‌ کھلتا ہے آج پردہ ترے پردہ دار کا
ہے رشک یا اثر ہے یہ کچھ ہجر یار کا ‌ ‌ ‌ ملتا نہیں مزاج مرے رازدار کا
سچ سچ کہینگے گرچہ ترا شکوہ ہو تو ہو ‌ ‌ ‌ یہ سامنا ہے داور روز شمار کا
چندے شکست خاطر دشمن کی مشق ہو ‌ ‌ ‌ ہے توڑنا مرے دلِ امیدوار کا
آیا ہے بہر فاتحہ وہ مہروش کہیں ‌ ‌ ‌ بے نور ہے چراغ ہماری مزار کا
کیا جانے کس کے دم سے ہے آباد میکدہ ‌ ‌ ‌ ساقی وظیفہ بند نہ کر بادہ خوار کا
ملتے ہی آنکھ اس سے حواس اپنے اڑ گئے ‌ ‌ ‌ آغاز نام ہے مرے انجام کار کا
تھوڑی رہی ہے کشمکش پاس و آرزو ‌ ‌ ‌ اب کیا پتہ ہے دل میں شکیب و قرار کا
کیا تجھ پہ اور مجھ پہ بنیگی بروز حشر ‌ ‌ ‌ دامن پہ تیرے ہاتھ پڑیگا ہزار کا
اب کہتے ہو کہ غیر کے ہم آشنا نہیں ‌ ‌ ‌ جب بھید کھل گیا مژہ اشکبار کا
تم اور سوچ سوچ کے کہنا کہ ہاں درست ‌ ‌ ‌ میں اور چبا چبا کے گلا روزگار کا
مخفی نشاں مٹانیکو آتے ہیں شکوہ وہ ‌ ‌ ‌ روشن رہے چراغ ہماری مزار کا

ہر شے کو انتہا ہے یقیں ہے کہ وصل ہو
عرصہ بہت کھنچا ہے مری انتظار کا

نالہ سے جور چرخ کا دیتا نہیں جواب
اللہ رے دماغ ترے خاکسار کا

وہاں دِل پہ مان لوں کہ کدورت نہیں مگر
الجھا ہوا ہے ہاتھ ہمارے غبار کا

بگڑا ہے تو کسی سے عدو ہمیں ہو کہ ہیں
کچھ منہہ بنا ہوا ہے مرے رازدار کا

سوجھی تو اب سے بات نہ پوچھے رقیب کی
تیرا ہی تو گلا ہے گلا روزگار کا

انور نہ بیٹھ یوں غمِ عصیاں میں بند بند
دروازہ وا ہے رحمتِ پروردگار کا

میں نے کہا کہ غیر سے پردہ نہیں ہوا
کہنے لگے کہ آپ کو پھر کیا نہیں ہوا

پہنچینگے اڑ کے باغ میں یہ طائرِ ضعیف
پروا نہیں گر ایک بھی پر وا نہیں ہوا

ہمراز ہیں رقیب تنک ظرف خود نما
کیونکر تمہاری بات کا چرچا نہیں ہوا

وہ یوں ہنسے عدو سے کہ گویا نہیں ہنسے
یہاں ظلم وہ ہوا ہے کہ گویا نہیں ہوا

یوں وہم ہو مگر خبرِ وصل ہے دروغ
اخلاص انکو غیر سے ایسا نہیں ہوا

ٹھہرا ہے اُس سے بوسہ پہ یہاں دور کا لین دین
چھوٹوں بھی جو کہ ہاتھ کا سچا نہیں ہوا

سجدے کئے رقیب کو کہنے سے یار کے
کیا کچھ مرے نصیب کا لکھا نہیں ہوا

اتنا تو ہم بھی جانتے ہیں او ستم شعار
زخمی تری نگاہ کا اچھا نہیں ہوا

گر مرتے گرتے آ بھی پڑے تیری بزم میں
آنکھیں پڑیں یہ ہم پہ کہ اٹھنا نہیں ہوا

سو باتیں چپکے چپکے ہوئیں میرے قتل کی
کہنے کو انکا غنچہ لب وا نہیں ہوا

کیا سخت بیحیا ہے کہ پھر قصد ہے یہیں
انور کل اُسکے کوچے میں کیا کیا نہیں ہوا

ہوا ہوں بار خاطر اک جہاں کا
یہ ثمرہ ہے مری آہ و فغاں کا

سہا اس پیچ میں ظلم آسماں کا
کہ یہ بھی ناز ہے اُس دلستاں کا

قدم اُٹھتا نہیں اس در سے اپنا
ستم یہاں تک اُٹھایا پاسباں کا

نہ بولیں آپ سب دعوے ہیں باطل
کھلا عقدہ لبِ گوہر فشاں کا

گرا پڑتا ہے اک سانس کے ساتھ
یہ عالم ہے تمہارے ناتواں کا

تماشے پر فقط اب زندگی ہے
کہ ہے آنکھوں میں دم اس نیمجاں کا

نکالا تیر نے حسرت کو دل سے
مکاں مہماں نے چھینا میزباں کا

کہی بلبل سے گل چیں کی حکایت
نیا رنگ ستم ہے باغباں کا

کسی کافر پہ مرئیے اور نہ مرئیے
یہ ہے اک لطف عمر جاوداں کا

تری رفتار نے چکرا دیا ہے
زمیں کرنے لگی کام آسماں کا

سنائیں بخت خوابیدہ کو پہلے
اثر اُلٹا ہے اپنی داستاں کا

یہ کلفت خیز ہے فریادِ بلبل
کہ فصلِ گل میں عالم ہے خزاں کا

چھپایا زخم دل کو چارہ گر سے
خدا حافظ ہے ہم سے بدگماں کا

میں ان بانکی اداؤں کے تصدق
کہ دل میں بل نکالا آسماں کا

چھری ہوتی ہے انکی تیز ہم پر
مگر یہاں حال ہے سنگِ فساں کا

مسیحائی کرو مرتے ہیں تم پر
خلاصہ ہے یہ اپنی داستاں کا

وہ ہیں بیچین اپنی نازکی سے
اُٹھانا بار ہے خوابِ گراں کا

ہوا غنچہ گلِ عارض حیا سے
سخن میں گل ہوا غنچہ دہاں کا

وہ آئے ہیں تماشے کو لبِ بام
ستارہ ہے بلندی پر فغاں کا

یہ کس حیرت فزا سے خلوتی ہوں
کہ عالم ہے مکاں میں لامکاں کا

ثباتِ فصلِ گل پر زعمِ بُلبُل
ہوا پر باندھنا ہے آشیاں کا

نظر اُس شوخ سے ملنی تھی انور
کہ برسا ایک مینہہ تیر و سناں کا

نہ توڑنا کبھی پیماں یہاں نہ آنیکا
ہمیں بھی ولولہ ہے صبر آزمانیکا

چمن میں قصد ہوا بھی جو اُنکو آنیکا
تو غنچہ آپ میں پھولا نہیں سمانیکا

عدو کو حوصلہ تیرے ستم اُٹھانیکا
بدل گیا ہے مگر رنگ ہی زمانیکا

یہ زلف و رُخ کی تو آرائشیں نہیں خالی
خیال دل میں ہے آیا کہیں کے جانیکا

عدو کے گھر میں چلے ہو تو پھر رہو گے کہاں
خوشی سے آپ وہ گھر میں نہیں سمانیکا

جراحت دل عاشق سے پوچھ غنچہ دہن
یہ لطف ہونٹوں ہی ہونٹوں میں مسکرانیکا

وہ عندلیب اسیری پسند ہوں کہ مجھے
قفس میں بھول گیا نام آشیانے کا

اِدھر یہ شوق کہ اِک غم کی داستاں کہیے
اُدھر یہ ضد کہ نہیں حکم لب ہلانیکا

تمہارے آنیکے وعدے پہ کون جاتا ہے
یہاں خیال نہیں خواب میں بھی آنیکا

یوہیں دموں میں شبِ وصل کی سحر آخر
وہ کافر ایک ہی دمباز ہے زمانیکا

مزاج شوخ سہی پر کچھ ایسے کھل کھیلے
کہ بات بات پہ عالم ہے لوٹ جانیکا

ہوا بھی دینگے نہ ہم دل کی بھول کر تم کو
مآل سوجھ گئے ہیں نظر چرانے کا

کیا جو ضبط فغاں تو ٹپک پڑے آنسو
یہ کون ڈھنگ ہوا راز دل چھپانیکا

خدنگ ناز سے بچتا ہے کوئی دل میرا
بندھا ہوا ہے یہ صید آپ کے نشانیکا

وہ لطف وائے ستم کچھ اشارے آنکھوں میں
مزا وہ ہائے رے شرما کے سر جھکانیکا

خدا نہ کردہ وہ دلسوز غیر کیوں ہوویں
یہ رنگ ڈھنگ ہے سارا مرے جلانیکا

صفائی طبع سے آپ اپنے گھر کا دشمن ہوں
نظر میں خار ہے خاشاک آشیانے کا

ہری نمود سے پیدا ہے رنگ ناکامی
پسا ہوا ہوں کسی کے حنا لگانے کا

جہاں کو سر پہ اُٹھالیں یہ پائمال ترے
ذرا بھی پائیں جو مقدور سر اُٹھانیکا

یہ کوہکن سے نہیں کم وصال شیریں میں
پہاڑ اُٹھایا ہے خسرو نے ناز اُٹھانیکا

بلائے درد کو دل پر خوشی خوشی لیجے
بڑا گناہ ہے اُلفت میں دل چرانے کا

نفس نفس میں یہاں ترے ظلم کی فریاد
سخن سخن میں عیاں شکر ہے ستانیکا

یہ وقت رحم ہے اے سخت جانئ عاشق
یہ پہلا وار ہے تیغ اُنکے آزمانے کا

تمہارے آگے یہ ہستی پہ اپنی ہنستا ہے
عجب ہے کیوں تمہیں غنچہ کے مسکرانیکا

ہوا بندھی یہ دم شعلہ بار کی اپنے
چمن میں فکر ہے بلبل کو آشیانیکا

الٰہی اَور نہ تھی کیا مرے گنہ کی سزا
کہ انتظار دیا ہے کسی کے آنے کا

کسی اشارۂ مژگاں کا وار کھایا ہے
ہے اپنا زخمِ جگر چارہ گر چھپانے کا

چمن میں جاتی ہے لیکر شمیم گیسوئے یار
صبا کو فکر ہے پھر کوئی گل کھلانیکا

خدا بچائے کسی کو نہ پاس انور کے
یہ ایک رند ہے بگڑا شرابخانے کا

حشر میں کون مرے حال کا پرساں ہوگا
یہاں کچھ انصاف ہوا ہے کہ جو کچھ وہاں ہوگا

ہائے کیا کیا نہ وہ اس گریہ پہ نازاں ہوگا
جسکی آنکھوں پہ ترا گوشۂ داماں ہوگا

اور مجھ سا نہ جہاں میں کوئی انساں ہوگا
گریہ آئیگا تو سر پہ مرے احساں ہوگا

بزمِ احباب جنوں کا مرے درماں ہوگا
ناصح آئینگے دماغ اور پریشاں ہوگا

ہوں میں ایذا طلب ایذا ہی سے درماں ہوگا
نون بھی گر زخم پہ چھڑکوگے تو احساں ہوگا

بے نقاب اسکا مگر عارضِ تاباں ہوگا
مہر بھی اک چراغِ تہِ داماں ہوگا

ابتو اک بوسہ پہ پورا مرا ارماں ہوگا
حسرتیں بڑھ گئیں لو اور بھی ارماں ہوگا

قد قیامت ترا اور اسپہ خراماں ہوگا
جدھر آجائیگا اک حشر کا ساماں ہوگا

ہم بھی ہونگے یہی خنجرِ مژگاں ہوگا
آج پر کیوں نہ ہو گل ہم پہ جو ایجاب ہوگا

آتشیں داغ سے تن سرو چراغاں ہوگا
سوزِ الفت ہے بہر رنگ نمایاں ہوگا

ہائے تو غیر کے گھر شب کو جو مہماں ہوگا
دل میں کافر نے نہ چھوڑا کوئی ارماں ہوگا

مائۂ زیست مجھے موت کا ساماں ہوگا
ہر نفس سینہ میں تجھ بن مجھے پیکاں ہوگا

اسپہ مرتے ہیں کہ کیوں تو نے جہاں کو مارا
ہاتھ کس کس کے ترا حشر کو داماں ہوگا

مجھ کو زنداں میں نہ لیجاؤ کہ نالہ میرا
اور زندانیوں کا سلسلہ جنباں ہوگا

لالہ ہے داغ بدل زخمی ہے گل غنچہ خموش
کچھ کرشمہ ترا اے نرگس فتاں ہوگا

بت پرستی ہے یہ اک کفر ہے کیسی الفت
دل نہ دیگا جو کوئی صاحب ایماں ہوگا

گو کہ ہے آپ گلا کاٹنا اپنا مشکل
کاٹنے سے شب فرقت کے تو آساں ہوگا

حسرتیں اپنی تو نکلیں نگہہ قاتل سے
رہگیا دل میں کسی کے کوئی ارماں ہوگا

زیست ہے یوں ہی ترے ہاتھ سے مرنا ہمکو
مرتے اس پر ہیں کہ پھر کوئی پشیماں ہوگا

کیسا زنداں کہ ہمیں سقف فلک میں ہے کلام
دیکھنا جو دم فریاد اسیراں ہوگا

ترے جھگڑے تو چلے جائینگے تا روز شمار
فیصلہ اپنا بھی کچھ اے شب ہجراں ہوگا

آئینہ ہاتھ میں کیا لیتے ہو خنجر ہی نہ لو
آخرش قتل کا عالم ہی کے ارماں ہوگا

وسعت سینہ کم اور ایک سے یہاں ایک عزیز
اب جگر ہوگا کہ دل ہوگا کہ پیکاں ہوگا

کچھ کہے یا نہ کہے آپ کا دنبالہ چشم
اپنی آنکھوں میں تو اک خنجر براں ہوگا

تم نہ آوگے تو کیا رات ہی کٹنے کی نہیں
کیا نہ پہلو میں کوئی خنجر براں ہوگا

نہیں بیوجہ یہ خوننابہ فشانی انور
لہو ہو ہو کے نکلتا کوئی ارماں ہوگا

دامن وسیع دیکھ کے عفو الہ کا
ارماں ہے بیگناہ کے دل میں گناہ کا

پرہیز شیخ کو ہے تو رندوں کو ہے یہ ضد
گذرے گماں نہ میکدہ پر خانقاہ کا

خوش ہوں اگر رقیب کی جانب نظر ہے
ہے صاعقہ بھی نام تمھاری نگاہ کا

ہمت بھی ہم سے دور ہے منزل کی طرح ہی
قطعِ نظر بھی راہ سے ہے قطعِ راہ کا

ہے بسکہ شوق ذلت و خواری سناں گزار
سینہ میں خوں ہوا ہوسِ عز و جاہ کا

پہلے ظہورِ جلوہ سے آتی ہیں حسرتیں
بڑھتا ہے پاؤں شاہ سے آگے سپاہ کا

چلنے سے پاؤں کٹ گئے منزل کٹی گی گیا
تیغ دو دم ہے مجھکو خطِ جادہ راہ کا

قرباں ایسے حسن تجلی فروز کے
دھوکا شبِ وصال دیا صبحگاہ کا

جائے نگاہ آہ نکلتی ہے آنکھ سے
دل میں ہجوم ہے یہ غمِ صبر کاہ کا

بیٹھے ہیں داغ رشکِ عدو صورتِ عدو
ہے رنگ میرے دل میں تری بزمگاہ کا

عاشق کے آنکھ دیکھنے میں گو نہ کچھ کہے
آئینہ حیرتی ہے کسی رشکِ ماہ کا

منزل رسی یہ ہے کہ جہاں بازگشت ہو
ہے نعل واژگونہ نشاں اسکی راہ کا

وہ ہے کہ نقش ہے دل و جانِ رقیب پر
عالم نہ پوچھئے مرے حالِ تباہ کا

اب اور کس کو دیکھئے اور کس کو دیکھئے
بیٹھا ہے نقش آنکھوں میں اس بزمگاہ کا

بے صرفہ ہم لٹاتے ہیں انور دُرِ سرشک
گو ہیں فقیر دل ہے مگر بادشاہ کا

گریہ سے غصہ انکا مٹایا نہ جائیگا
شعلہ بھڑک اٹھا ہے بجھایا نہ جائیگا

مرجائینگے جو درد اٹھایا نہ جائیگا
الفت کے مرتبہ کو گھٹایا نہ جائیگا

وقفِ صلائے لطف و غضب صرفِ دُش رہا
اس کشمکش میں دل کو پھنسایا نہ جائیگا

ظلمِ نگاہ لطف سوئے غیر یاد ہے
سو حشر تک بھی دل سے بھلایا نجائیگا

بیشک کہ جاؤں دیر سے اور آؤں طور پر / ذوق نظر تو بار خدایا نہ جائیگا

چتون ہی کچھ بنیگی جو آنکھین جھکی رہیں / تمکیں سے شوخیوں کو دبایا نہ جائیگا

کیا پوچھتے ہو دل مین جو ہے ماجرائے شب / سوز رشک سے زبان پہ لایا نہ جائیگا

نالہ نہ آئے ضعف سے گو تا بہ لب آئے / کیا آسمان کو بھی جلایا نہ جائیگا

کچھ سوزِ عشق لائیے کچھ برق اضطرار / دل سرد مہریوں سے جلایا نہ جائیگا

ہوں خاک انکے کوچہ مین ہوں گران نشیں / میرا غبار اُن سے اُڑایا نہ جائیگا

دل ہے کہاں کہ کھوئیں جسے بات بات پر / سچ ہے تمھاری بات کو پایا نہ جائیگا

شکل وفا جفا سے نہ باز آئیں وہ کہیں / کچھ اُن کو حال زار سنایا نہ جائیگا

اغیار کی نشست ہے وہاں یہاں شکستہ پا / ہم سے تمھاری بزم میں جایا نہ جائیگا

ان سب کو خون کرکے نکالینگے آنکھ سے / سینہ میں حسرتوں کو بٹھایا نہ جائیگا

انور طلب کرینگے ہم اک قلزم شراب
ساقی کے حوصلہ کو گھٹایا نہ جائیگا

ردیف با

اشک بیتاب و نگہ بیباک و چشم تر خراب / چشم بینا سے اگر دیکھو تو گھر کا گھر خراب

گریہ بے تاثیر و فریاد دل مضطر خراب / کار عشق و عاشقی ناقص تمام اکثر خراب

اک ہمارا نام جو پہنچے نہ تیری بزم تک / اک ہماری خاک ہے جو پھرتی ہے در در خراب

ہے ادب سے نطق بند اب کیا بیاں ہو مدعا
پہلے ہی یہاں ہو چکا گفتار کا دفتر خراب

دل خراب اور سب ہوا و حرص دل بیکار ہے
ہے فضائے دہر میں حالِ بُت و بُت گر خراب

جان ہی جاتی ہے گفتار شکر آلود پر
بوالہوس سے نیت عاشق ہے کچھ بڑھکر خراب

شب عدو کے ساتھ دنکو مجھسے چھپتے پھرتے ہو
الغرض پھرتے ہو یوں ہی رات بھر دن بھر خراب

دل خراباتِ مغاں سے ہم اُٹھا سکتے نہیں
ہو گئے اس خاکداں میں چار دن رہکر خراب

پھوڑنا سر کا ہی ٹھہرا تو لاکھوں سنگ ہیں
کیجئے کیوں آستانِ یار کا پتھر خراب

جو مقابل ہیں بلائے وہ موجود اس میں ہے
دل ہوا اپنا صفا سے آئینہ بنکر خراب

اک صنم کے ہاتھ بک جاتا نہ پھرتا در بدر
بُت فروشی سے ہوا ہے کسقدر آزر خراب

لطفِ ساقی عام تھا پر وائے بختِ عندلیب
جامِ گُل بیکار نکلا ساغرِ عبہر خراب

میرے دل میں ایک دم آتے نہیں مثلِ مراد
ہو گئے اغیار کی آنکھوں میں تم رہکر خراب

تم کسی و عدے سے پھر جاؤ کہ ہو جاؤں تمام
ہو اگر پھرنے میں میرے حلق پر خنجر خراب

منحرف ہم دیکھتے ہیں کچھ نگاہِ تیز تیز
کس رگِ جاں سے ہوا ہے یہ سر نشتر خراب

آرزوئے قتل بر آئی تو کیا بر آئی خاک
کچھ یہاں قسمت بُری کچھ وہاں دم خنجر خراب

یوں خراباتِ مغاں بھی ہے خراب روزگار
لیکن اُس سے بھی ہے کچھ تیرہ دل انور خراب

ردیف تا

دل سینہ میں ہے معرکہ آرائے قیامت
آئینہ ہے ہنگامہ صحرائے قیامت

کس ڈھب سے چلے آتے ہیں وہ ہائے قیامت
کہدو کسی گوشہ میں سرک جائے قیامت

قامت ہی لکھا ہم نے سدا جائے قیامت
قامت نے بھلایا ترے ادائے قیامت

واعظ کو دکھائینگے تماشائے قیامت
گر پڑ گیا سایہ ترا بالائے قیامت

آئی بھی تو ہمراہ عدو ہائے قیامت
اک اور بھی ساتھ اپنے لگا لائی قیامت

ہیں داد طلب ایک ستم ایجاد کی یارب
ہو اور قیامت پس فردائے قیامت

سچ ہے تو برآئیں ترے بسمل کی مرادیں
سنتے تو ہیں کچھ وسعت صحرائے قیامت

اڑتی سی جو دیدار کی سن لی ہے تو ملیں
اللہ رے اللہ تمنائے قیامت

تو اور ستم اُف رے کرم بلبے ترحم
میں اور گلہ ہائے غضب وائے قیامت

گریہ کو کیا ضبط نکلنے لگے نالے
طوفان کا اخفا ہوا افشائے قیامت

خود دوڑ کے خنجر پہ گلا رکھ دیا میں نے
قاتل نے کچھ انداز وہ دکھلائے قیامت

تم آج ہی چل پھر کے مٹا دو نہ یہ جھگڑا
کیوں کل پہ رکھو شورش و غوغائے قیامت

آتے ہیں نہ وہ تاب یہاں ضبط فغاں کی
گر آج ہی آجائے تو آجائے قیامت

کیا آئے کہ یہ دل کی تمنا ہے وہ کافر
سو طرح جفا البتہ کرے ہائے قیامت

تم بات کے پورے ہو نہ آؤ شب وعدہ
تم آج ہی دیکھو نہ تماشائے قیامت

کیا بات ہے کیا بات ہے اے طول شب ہجر
ہاں آج سحر ہوتے تلک آجائے قیامت

توبہ ہے کہ پھیلی یہ سیہ کاری انور
ہو روز قیامت شب یلدائے قیامت

نظر آئے کیا مجھ سے فانی کی صورت
کہ پنہاں ہوں درد نہانی کی صورت

بنا ہوں وہ میں ناتوانی کی صورت
غضب ہی کھچی بے نشانی کی صورت

خموشی جو ہے اقتضائے طبیعت
تو انکو ملی بے دہانی کی صورت

نظر آئے کیا جلوۂ حسن باقی
کہ پردہ ہے دُنیائے فانی کیصورت

تم اور ذکر اغیار پر چپ رہو گے
کہے دیتی ہے بے دہانی کی صورت

ہمارے گلے پر تو چلتی دکھاؤ
کہاں تیغ میں ہے روانی کی صورت

قیام اپنا اُس کوچہ میں پا بگل ہے
ملے خاک میں ہم تو پانی کی صورت

گداز دل تشنہ کاماں غضب ہے
وہ خنجر نہ بہ جائے پانی کی صورت

برابر ہے یہاں بود و نابود اپنی
نشاں ہے سراپے نشانی کی صورت

عرق شرم سے خاکساری ہیں ہو نہیں
ہوا خاک بھی ہیں تو پانی کی صورت

جو پوچھو تو اُس چشم کا دیکھنا ہے
وہ ہے گردش آسمانی کی صورت

ڈبویا مجھے آب میں شرم سے وہ
کھڑے ہیں ہمرے سر پہ پانی کیصورت

نمود اپنی واقع میں کچھ بھی نہیں ہے
یہاں خواب ہے زندگانی کی صورت

وہ دل رونمائی میں لیتے ہیں پہلے
دکھاتے ہیں جب جانستانی کی صورت

مجھے کشتہ دیکھا تو قاتل نے پوچھا
یقیں ہے یہاں بدگمانی کی صورت

پڑے مر کے مٹنے کو ہم ٹھوکروں میں
مگر کٹ گئی زندگانی کی صورت

زباں پر ہے قاصد کی اپنی رسائی
ہوا ہوں پیام زبانی کی صورت

مجسم ہی موہوم آنے میں اُن کے
نظر آتی ہے زندگانی کی صُورت

ترے وعدے پر زیست ہے مرگ اپنی
بہت ہی بڑھی ناتوانی کی صُورت

وُہ اِس شکل سے میری بالیں پہ آئے
کہ اِک آفت آسمانی کی صُورت

نظر بن کے پھرتی ہے آنکھوں میں اپنی
کسی عالم نوجوانی کی صورت

نہ ہو رشک تو کیجے وہاں مدح دشمن
کہ ہے یار کی رازدانی کی صُورت

مجھے دیکھو اور اُسکے وعدے پہ جینا
یہ ہے زندۂ جاودانی کی صُورت

وہاں بدگمانی کی تعریف کیا ہو
یقیں ہو جہاں بدگمانی کی صُورت

نظرسوز وُہ رُخ وُہ انکار بیجا
مگر ہیں وُہ اِک لن ترانی کی صُورت

دکھاتے ہیں وُہ رُخ سے یوُں ناز پنہاں
کہ الفاظ جیسے معانی کی صُورت

یہاں کیا سمائی دمِ تیغ قاتل
کہ نظروں میں ہے سخت جانی کی صُورت

جو نقش فنا ہوں تو وہ دل پہ انور
کھنچی اور اِک بدگمانی کی صُورت

ردیف ثا

غم میں دل شاد ہے اے کون و مکاں کے باعث
تجھ سے فریاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

تری امداد ہے اے کون و مکاں کے باعث
کہ مجھے یاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

روز و شب ارض و سما عالم ایجاد سے ہیں
تجھ سے ایجاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

مرنے جینے کا سہارا خوشی ناخوشی کی مراد   اک تری یاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

جسکا ہوگا کوئی اُس سے ہی کریگا فریاد   چرخ جلاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

غنچۂ دِل کو کھلاتی ہے مگر یثرب کے   خاک ہے یاد اے کون و مکاں کے باعث

آج بن آئی بہار طرب افروزی کی   صبح میلاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

سب پہ احساں ہے ترا نُور مقدم سے ترے   ناز اجداد ہے اے کون و مکاں کے باعث

نُور حق صبح ازل ہیں قدم سے تیرے   وقت میلاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

کاخ ہستی ہے جو دیرینہ و مضبوط بنا   تُجھ سے بنیاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

اصل میلاد تری اور ہی تھی پہ یہ ظہور   شرح میلاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

سبب خلق ہے تو ذات مقدس تری   شان اجداد ہے اے کون و مکاں کے باعث

آپ جس باغ ہیں ہیں ایک گل رعنا اس کا   رنگ ایجاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

یہاں تو بھولے ہی نہیں حشر میں کیوں بھولوگے   ہاں مری یاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

کس ولی نعمت سابق سے ہے محشر میں رجوع   دِل مرا شاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

کوئی وہاں تھا سبق آموز بلٰی روزِ الست   خُوب سا یاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

یادِ اک لُطف قدیمی کی ستاتی ہے مجھے   شوق کی داد ہے اے کون و مکاں کے باعث

تھے وہاں عُقدہ کشایاں بھی دم رنج وبلا   چشم امداد ہے اے کون و مکاں کے باعث

اپنی آغاز میں مخلوق کی فکر انجام   وُہ کرم یاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

چمن قدس و گلستان جہاں دونوں میں   توہی شمشاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

یہ کریمی یہ رحیمی کہ یہاں بھی وہاں بھی
بذل امداد ہے اے کون مکاں کے باعث

یہاں ذرا جذب محبّت نے ٹھہرنے نہ دیا
وہاں بھی کیا یاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

جو وہاں نور میں شامل ہے یہاں بھی ہے وہی
یہ خُداداد ہے اے کون و مکاں کے باعث

واقعی قائمۂ عرش ہے کتنا مضبُوط
کس سے بنیاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

اپنے ہم خیل کا شکوہ مجھے کرنا ہی پڑا
چرخ جلاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

حصرِ اجسام پہ کیا حلقہ اجرام میں بھی
ذکر امداد ہے اے کون و مکاں کے باعث

دل میں اک لمعۂ مہرِ ازل رکھتی ہے
خاک دلشاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

ہم غلاموں میں ہیں کس دن کے ہمارا حق ہے
سہو بھی یاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

وہاں سے آنے میں دیر اور یہ جانے میں شتاب
شوق ناشاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

یہ عنائت یہ تفقد یہ تلطف یہ کرم
جو ہے ایجاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

ہو چکی بیع سلم پہلے ہی رب سے سب کی
کون آزاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

عالمِ قدس سے بیرنگ کوئی نقش نہیں
کیا یہ ایجاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

بیطلب کے وہ سفارش یہ شفاعت بے غرض
لُطف ایجاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

مجمع کل ہے وہاں بزم جہاں سے بڑھکر
عدم آباد ہے اے کون و مکاں کے باعث

ہو گیا آپ سے بمیثل کا پہلے ہی اسیر
عشق آزاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

مرقدِ پاک سے معمُور جہان ارواح
خاک آباد ہے اے کون و مکاں کے باعث

دیکھکر بندہ نوازی تری کیونکر نہ کہوں
خاک برباد ہے اے کون و مکاں کے باعث

کس تقدم کو دکھایا ہے کہ سب سے ملک
سب سے آزاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

منحصر حشر پہ ہے غم کے اسیروں کی نجات
کیا یہ میعاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

غنچہ کچھ دیکھ کے چپ چپ ہے وگرنہ ہمہ تن
لب فریاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

کچھ دل زار میں کچھ طور پہ کچھ یہاں کچھ وہاں
کس کی روداد ہے اے کون و مکاں کے باعث

عشق کے وار ہی چلنے لگے ایک عالم پر
صید صیاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

نکتۂ منتخب نسخۂ حق ہے تیری ذات
مہر اک صاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

تجھ سے پہلے تجھے سب جان گئے جان گئے
تو وہ استاد ہے اے کون و مکاں کے باعث

ایک زمانے کے ستم ٹوٹ پڑے انور پر
داد بیداد ہے اے کون و مکاں کے باعث

ردیف جیم

ہر ہفت ہو کے جان و دل یک جہاں ہو آج
گویا ہمارے حال پہ تم مہرباں ہو آج

ہر نالہ اپنا اس شب غم میں ہے نارسا
اس کوچے کی زمیں نہ کہیں آسماں ہو آج

دل میں سمائی یہ طرب روز وصل جھوٹ
ڈر ہے عدو مرا نہ کہیں رازداں ہو آج

صبح شب وصال علامت ہے حشر کی
دیکھیں کہ آفتاب کدھر سے عیاں ہو آج

گذرا ہے حد سے اب شب وعدہ میں انتظار
اغلب ہے یہ کہ وصل شب دلستاں ہے آج

مقصود کاش وعدۂ فردا سے حشر ہو
پھر کیا بعید ہے کہ نہ ضبط فغاں ہو آج

ہے بہرِ عذرِ حسن ادائے بیاں ضرور
تم شب کو جان غیر تھے میری زباں ہو آج

ہے روزِ ہجر قہر ہے بیداد ناتمام
اے کاش میرے سر پہ عدو آسماں ہو آج

دِل کش نگاہ میں ہے تری رنگِ انقلاب
جو یہاں نہاں ہے سینہ میں شائد عیاں ہو آج

یہانتک عدو کے شک سے تم آئے ہو جلوہ ریز
دیکھو تو غور سے کہ کہاں ہے کہاں ہو آج

کیا قتل سے ڈراتے ہو کُشتہ ازل سے ہوں
زندہ ہوں کونسا کہ مجھے بیم جاں ہو آج

تزئین کچھ اُور کہتی ہے دیکھو تو آینہ
میں کیا کہ آپ اپنے سے تم بدگماں ہو آج

یہ روزِ غم بھی شب ہو جو ہو یہ دُعا قبول
یارب نئی زمین ہو نیا آسماں ہو آج

حالِ شکر لبی تو کھلیگا وصال میں
وعدے سے ہاں سمجھتے ہیں شیریں زباں ہو آج

کیا کچھ سُبک نہیں ہوئے شب بزمِ غیر میں
اِنصاف ہو تو اپنے بھی دل پر گراں ہو آج

تغییرِ حال اس شبِ غم میں ضرور ہے
دِل مضطرب نہیں ہے تو برقِ تپاں ہو آج

وُہ دن گئے کہ مصر کو پہنچا کوئی بخیر
تم ورنہ آفت رہ صد کارواں ہو آج

ہاں روئداد بزمِ عدو کیوں کہو مگر
یہ تو کہو کہ شب کو کہاں تھے کہاں ہو آج

میں اور انتظارِ قیامت سے بحث کیا
کیوں مجھ کو کل کے وعدے پہ مرنا گراں ہو آج

سونپا ہے اپنی بزم کا دشمن کو اہتمام
مطلب یہ ہے کہ اُور کے گھر مہماں ہو آج

انور یہ خلوتِ غم و یا یائے سوز و درد
شایاں ہے گر دماغِ سرِ لامکاں ہو آج

ردیف را

میں ہوں زندہ سو بلائے آسمانی دیکھکر ‌ ‌ موت کا منہہ پھر گیا یہ سخت جانی دیکھکر

مرٹے ہم تو یہ رمز دل ستانی دیکھکر ‌ ‌ مسکرا کر دیکھنا آنکھیں جھکانی دیکھکر

مہر و انجم کا تقابل عاشق و جاناں میں ہے ‌ ‌ بے نشاں حسن یار کی پرتو فشانی دیکھکر

اک حجاب اسکے تغافل کا جلا سکتا نہیں ‌ ‌ آگ لگتی ہے مجھے آتش بیانی دیکھکر

قہر جب اُٹھتا نہیں تو بار احساں کیا اُٹھے ‌ ‌ لُطف بھی کیجے تو میری ناتوانی دیکھکر

نشہ اُترا سامنے آتے ہی مست شوق کا ‌ ‌ اُف رے کافر تیوری تیری چڑھانی دیکھکر

بے حلاوت ایک دم کی زیست ہے جی کو عذاب ‌ ‌ ہم تو مرتے ہیں خضر کی زندگانی دیکھکر

شوق یہ ہمت بندھاتا ہے کہ ہے ہے کوئے یار ‌ ‌ چھوٹتا ہے دل پہ اپنی ناتوانی دیکھکر

نذر طرز جاں ستانی اب کہاں سے لائیں ہم ‌ ‌ جان دے بیٹھے ادائے دل ستانی دیکھکر

رنگ یک رنگی نظر میں چھا گیا اچھا ہوا ‌ ‌ شاد ہوں مژگاں کو وقف خونفشانی دیکھکر

کام اک ذرہ نہ دیکھا جز غبار ناکسی ‌ ‌ عرصہ عالم کی ہم نے خاک چھانی دیکھکر

عکس چشم ساقی مدہوش ہوساری میکشی ‌ ‌ نشہ مے میں پلادے گر وہ پانی دیکھکر

رنگ خوں توبہ و تقوی کی نظر میں جم گیا ‌ ‌ جلوہ موج شراب ارغوانی دیکھکر

چشم حسرت ہے کس فنا کس کے ایک ایک جائے قدم ‌ ‌ یاد ان کہہ مر جائے تو اے یار جانی دیکھکر

دیکھتا ہوں انور اپنے ساقی رہبر کو خضر + کھل گئیں آنکھیں شراب ارغوانی دیکھکر

یوں اشاروں میں تمھاری بات مانی دیکھکر
آفریں کیجئے ہماری نکتہ دانی دیکھکر

مرگئے ہم رخ ترا اے یار جانی دیکھکر
موت بھی آئی تو شکل زندگانی دیکھکر

کیا کہونگا اور مجھ سے حشر میں پوچھینگے کیا
مرگیا ہوں اک ادائے بیدہانی دیکھکر

کام لذت یاب ہوپائے نظر بھی آب و رنگ
چاہیے پینی شراب ارغوانی دیکھکر

ہوں ازل سے بسکہ میں پروردۂ آغوش غم
خواب میں ڈرتا ہوں روئے شادمانی دیکھکر

ہے تری صورت کشی کا خلق کو اسپر گماں
نقش حیرت ہوگیا ہوں شکل مانی دیکھکر

قطع سر سے دم نہ نکلا اف رے حیرت کا ہجوم
رک گیا دم اسکی خنجر کی روانی دیکھکر

وہ سرا غم ہے کہ دل میں آکے جاتا ہی نہیں
غیر کو دیتے ہے پیام مہمانی دیکھکر

داغ دل سالم جو دیکھا یہاں تو حیرت آگئی
دیکھتے ہیں مجھ کو وہ اپنی نشانی دیکھکر

دیچکے ہیں وہ کسی وعدے پہ دشمن کو زباں
پاگئے ہم بات انکی بے زبانی دیکھکر

ہیں عزیز دل وہاں نیرنگ سازی سے رقیب
خاک ہوتا ہوں میں انکی قدردانی دیکھکر

اس نگاہ یاس سے دیکھا کہ وہاں رحم آگیا
ہم نے حکمت سے کیا آتش کو پانی دیکھکر

اسکے نظارہ سے کھوئے گیا کہ یہاں کیا بنگئی
جو نہ آئے دھیان میں یہاں دل میں ٹھانی دیکھکر

بے عدو ہے سیر عالم خوار اور حیلہ ہے یہ
دیکھتے ہیں کس کو ہم اپنی جوانی دیکھکر

غش ہوں اس الٹی سمجھ پر میں کہ وہ اغیار کا
مہرباں ہیں قابل نا مہربانی دیکھکر

دیکھکر جلوہ ترا ہے اسلئے دل پر نظر
دل سے ہر شکل خیالی ہے مٹانی دیکھکر

مانتا ہوں اس نزاکت کو کہ استعجاب ہے
آگیا غش اسکو میری ناتوانی دیکھکر

ہم سراپا ہو گئے نظارہ فرطِ شوق سے
اُس بُتِ خود بین کو صرف لن ترانی دیکھکر

سر یہ عالم کا اُٹھانا ضعف مین یہاں فرض ہے
اِس نزاکت پر تمھاری سرگرانی دیکھکر

اُسکے تیر دلنشیں کو دل سمجھتا ہی نہ تھا
ظُلم وُہ کرتے ہیں میری قدردانی دیکھکر

انور اس مہمان عالم کی طلب میں خوار ہوں
ہر جگہ اِک رسم و طرزِ میزبانی دیکھکر

ردیفِ کاف

کوئی تڑپے نہ کیوں تاب و تواں تک
نہ پُوچھینگے نہ دیکھینگے کہاں تک

نہ آئے وُہ نہ آئینگے فغاں تک
فغاں کا زور ہے آخر کہاں تک

جو پہنچے مر کے اس جانِ جہاں تک
کوئی کیوں لے حیاتِ جاوداں تک

رسائی کو رسائی بھی کہاں تک
کہ پہنچ جائے تمھاری آستاں تک

مدد اے خفتہ بختی اور یہاں تک
کہ سو جائے کسی کا پاسباں تک

نظر ہو تو دو عالم میں وُہ دیکھو
وُہی ہے اور وُہ یہاں سے وہاں تک

غمِ دُنیا سے ہیں آزاد آزاد
یہ سب جھگڑے جہاں کے ہیں جہاں تک

ملیں وُہ کیا کہ وحشت کے اثر سے
نہیں ملتا مزاجِ پاسباں تک

جہاں دیکھیں جہاں سمجھیں وہیں ہو
مکاں ہی تو مکاں ہے لامکاں تک

نہ یہاں ہے اور نہ وہاں اور سب کہیں ہے
کہاں ہو جستجو اس کی کہاں تک

یہیں ہو اور نہیں کھلتا کہاں ہو
کہیں ہو اور نہیں ملتا نشاں تک

کسی کی آمد و شد کا ہو کیا رشک
گذر سکتا نہیں وہاں تو گماں تک

ہمارا ہاتھ اور دامن تمھارا
دعا کا ہاتھ پہنچا ہے کہاں تک

ہمارا حالِ دل سنئے ہی سنئے
بہت مشکل سے لائے ہیں زباں تک

وفا کا امتحاں پر فیصلہ ہے
کسی کا فیصلہ ہے امتحاں تک

گرینگے آنکھ سے بن بن کے آنسو
امیدیں حسرتیں دل کی کہاں تک

مزا ہے جان دینے کا کسی پر
نہ لے عاشق حیاتِ جاوداں تک

کہیں ہوں فردِ حسرت سے وہیں ہوں
نظر پہنچی ہوئی ہے گلستاں تک

لپٹتا ہے غبار اُڑ کر کسی کا
بچائیگا کوئی دامن کہاں تک

اسیری میں مقدر سے بنی بات
قفس میں کھینچ کے آیا گلستاں تک

چلے کیوں بوالہوس عاشق کی چالیں
کہ آخر نوبت آئی امتحاں تک

قدم اُٹھیں نہ اُٹھیں شوق تو ہے
تڑپتے لوٹتے جائینگے واں تک

کسے ہم ڈھونڈتے ہیں کس نظر سے
نظر کیا آئیگا وہاں سے یہاں تک

جہاں تم ہو وہیں تو ہیں طلبگار
طلب کی حد بھی ہے کیا لامکاں تک

نہیں یاں جز غبارِ ہستی کچھ
یہی خاک اڑ رہی ہے آسماں تک

نہ رکئے منزلِ اُلفت میں انور
جہاں تک ہو سکے چلئے وہاں تک

ردیف نون

اُن سے ہم لو لگائے بیٹھے ہیں / آگ دِل میں دبائے بیٹھے ہیں
وُہ جو گردن جھکائے بیٹھے ہیں / حشر کیا کیا اُٹھائے بیٹھے ہیں
تیرے کُوچے کے بیٹھنے والے / اپنی ہستی مٹائے بیٹھے ہیں
زور بل اُف رے اس نزاکت پر / خلق کا دِل دُکھائے بیٹھے ہیں
کیوں اُٹھیں انکی بزم سے اغیار / رنگ اپنا جمائے بیٹھے ہیں
کچھ نہیں خاک دشتِ اُلفت میں / ہم بہت خاک اڑائے بیٹھے ہیں
ہم نہیں آپ ہیں خوشی سے کہ وُہ / گھر میں مہمان آئے بیٹھے ہیں
کیوں نہ پھیلائیں پانوُں بزم میں غیر / آپ کے سر چڑھائے بیٹھے ہیں
جنگجو وُہ ملاپ میں بھی رہے / مجھ سے آنکھیں لڑائے بیٹھے ہیں
دِل کے کھوٹے ہیں سب یہ سیم اندام / خُوب ہم آزمائے بیٹھے ہیں
حُسن نظارہ سوز ہے پردہ / گو وُہ پردہ اُٹھائے بیٹھے ہیں
اُسکی عارض سے رُوکشی کیسی / گُل پہ ہم خار کھائے بیٹھے ہیں
جیتے ہیں نام کو وگرنہ ہم / عشق میں جی کھپائے بیٹھے ہیں
بار دیکھا بھی خُونِ عاشق کا / آپ اور سر جھکائے بیٹھے ہیں
کیوں کہ بگڑا ہوا اُنہیں کہئے / بگڑے اور مُنہہ بنائے بیٹھے ہیں

جی چرانا اور اُسپہ ہائے ستم
آپ آنکھیں چرائے بیٹھے ہیں

شرم بھی اِک طرح کی چوری ہے
وُہ بدن کو چرائے بیٹھے ہیں

جو کہ بیٹھے ہیں انکی پیشِ نگاہ
موت آنیکی جائے بیٹھے ہیں

دیکھ ساقی کو اپنے دریا دِل
ظرف مَیکش بڑھائے بیٹھے ہیں

اُسکے در سے لگا کے مقتل تک
جاں فدا جائے جائے بیٹھے ہیں

غیر باتوں سے اور ہم آنکھوں سے
ایک طوفاں اُٹھائے بیٹھے ہیں

تجھ سے دِل کا غبار مِٹ نہ سکا
اپنے کو ہم مٹائے بیٹھے ہیں

ہے یہ روشن کہ ہے حجاب میں چاند
آپ کیا مُنھہ چھپائے بیٹھے ہیں

اس خوشی میں حنا لگاتے ہیں
کہ مرا خُوں بہائے بیٹھے ہیں

جانتا ہُوں کہ قتل پر میرے
آپ بیڑا اُٹھائے بیٹھے ہیں

میرے دل سوز بنکے یار مرے
مُفت جی کو جلائے بیٹھے ہیں

کیا سکھائیگا انکو ظلم فلک
خود وُہ سیکھے سکھائے بیٹھے ہیں

ہے جہاں اُس سے فیضیاب انور
جسکے در پر ہم آئے بیٹھے ہیں

محفل میں تم کو آنکھ چرانی روا نہیں
دو ایک بوسہ لب لعلیں سوا نہیں
بوسے کی بار بار طلب ہے تو کہتے ہیں

دِل کو خُدا نخواستہ میں پُوچھتا نہیں
صاحب زکوٰۃ حسن ہے یہ اسمیں کیا نہیں
کچھ میرے پاس آپ نے رکھوا دیا نہیں

بیٹھا وہاں رقیب تو میں رشک سے اُٹھا
کمبخت دِل بھی تھام کے بیٹھا گیا نہیں

مَیں دُور ہوں تو پاس مرے فرطِ شوق ہے
تو شب کو تھا بغل میں تو جیسے کہ تھا نہیں

اے کاش غیر کو انہیں آنکھوں سے دیکھ لو
مجھ کو مزا ملا ہے جو اُس کو مِلا نہیں

کھولو تو ہاتھ دیکھیں کہ کیوں مُٹھی بند ہے
دِل لیگیا اُڑا کے جو دُزدِ حنا نہیں

اپنے خدا سے وصلِ صنم مانگتا ہوں میں
ناصح نہ مرکہ تجھ سے تو کچھ مانگتا نہیں

کھوئے ہیں ایسے ہوش کسی کی تلاش میں
دِل کوئی لے بھی جائے تو میں ڈھونڈھتا نہیں

گردش میں رات دن ہے شب و روز چرخ کیوں
اُس گردشِ نگاہ نے تو چکرا دیا نہیں

اچھا تم اور آنکھیں دکھاؤ رقیب کو
تم دِل میں چاہتے ہو کہ میں چاہتا نہیں

ہنسکر نمک چھڑکتے ہیں صید کیے آپ زخم
سچ ہے کہ زخم کھانے برابر مزا نہیں

لو ابتدا سے ہم کہیں اب داستانِ عشق
آخر شبِ فراق کی تو انتہا نہیں

دیکھو نہ بیٹھو غیر کے پہلو میں ناز سے
نازک ہو ہار طعنہ اُٹھیگا ذرا نہیں

اِنساں تو کیا فرشتے بھی اس چاہِ عشق میں
اندھے ہی بنکے گرتے ہیں کچھ سُوجھتا نہیں

انور کسے دکھائیں یہ لختِ دِل و جگر
ہمدم کوئی نہیں کوئی دردآشنا نہیں

گو سب رہا ہوئے کوئی قیدی رہا نہیں
ہوں وہ اسیرِ شوق کہ دِل چھوڑتا نہیں

پامال اِک جہاں ہے اور پھر جفا نہیں
کھلتے ہی کچھ یہ معنۓ ناز و ادا نہیں

آنکھیں جھکائے جاتے ہو آتی حیا نہیں
تم نے حیا کے پردے میں کیا کچھ کیا نہیں

کی صرف جذبِ دل کے بھروسوں میں زندگی
اور ایک دن بھی آکے وہ یہاں تک پھرا نہیں

تکتا ہے کیوں ندیم مرے منھ کو ہائے ہائے
میری خموشیوں نے تو کچھ کہہ دیا نہیں

یہاں بھی وہ آئینگے جو گئے ہیں عدو کے گھر
شوخی سے ٹھہرتے وہ کہیں ایک جا نہیں

خنجر کی تیزیوں سے مرا دم الٹ گیا
نظارہ تھا فرد پر کہ یہاں کچھ بھی تھا نہیں

تعریف ہے کہ ہمتِ فرہاد دیکھنا
اے آرزوئے وصل سنا یا سنا نہیں

نادان خود پسند ہو نازک مزاج ہو
آئینہ دیکھنا تمہیں ہرگز روا نہیں

دیوانگی کے پردے میں رکھا ہے چاکِ دل
اپنا کسی پہ رازِ محبت کھلا نہیں

دل بے نیازِ عشق اور اللہ رے نازِ حسن
اس بت کو پوجتا ہوں کہ وہ پوچھتا نہیں

یہاں ہے وہی ثباتِ قدم راہِ عشق میں
انکے شکستِ عہد سے دل ٹوٹتا نہیں

کیا مر رہا ہے حسرتِ نظارہ میں رقیب
نادان نے ذکرِ طور و تجلّی سنا نہیں

دونوں میں دل کو ایک نے مارا ہے کوئی ہو
انداز کا ہے کشتہ اگر ناز کا نہیں

مجھ کو نکالیے تو مری حسرتوں کے ساتھ
آخر سمجھتے ہو کہ یہاں دل میں کیا نہیں

اب سات پردوں میں بھی چھپو تو نظر میں ہو
دامن کے چاک نے کوئی پردہ رکھا نہیں

بدلا ہے کہ اور کوئی جور دل پسند
عذرِ جفا تلافیِ جور و جفا نہیں

قاصد تو نامہ لیتے ہی اک برق بن گیا
مضمونِ اضطراب تو کچھ لکھ دیا نہیں

نخوت سے کیا ادھر ہی چلے کوئے غیر میں
میں دیکھتا زمیں پہ کہیں نقشِ پا نہیں

دوزخ پہ کیوں رکھی ہے سزائے صنم پرست
گرمی بتوں کے حسن میں کیا اے خدا نہیں

قاتل بھی لوٹنے پہ مرے لوٹنے لگا
شائد ادا شناس ہے ظلم آشنا نہیں

صدقے ترے کن آنکھوں سے دیکھا رقیب کو
برقِ بلا مگر نگہ فتنہ زا نہیں

آخر بتوں سے دل کا اٹھانا تو بار ہے
میں ضعف میں جہاں سے خود اٹھ سکا نہیں

کس حسرتی کی آنکھ سے کیں اشک مالیاں
کچھ دیکھتا ہوں شوخیٔ رنگِ حنا نہیں

مایوسیاں یہ شام سے یہاں آکے چھائیں
گھر میں شبِ فراق کے آئینگی جا نہیں

واعظ کبھی خرام کی محشر پہ لا دلیل
دعوٰی بلا دلیل تو میں مانتا نہیں

الفت کی رہ میں پاؤں اٹھائے چلے بھی آؤ
انور خدا ہی جانے کہ پھر کیا ہی کیا نہیں

شوخی سے تیری ہجر کا کھٹکا گیا نہیں
ہے وصل بھی تو وصل کی شادی ذرا نہیں

بیٹھے ہو بند کھولنے بندِ قبا نہیں
اللہ رے طلسم حیا ٹوٹتا نہیں

اک بوئے رشک آتی ہے خط کی نورد سے
ہے ہے کہیں عدو سے تو لکھوا دیا نہیں

جان و جگر میں رہنے کو آئے خدنگ یار
جانیکو یہاں جو آئے تو آنے کو جا نہیں

کرتے ہیں جمع حوصلۂ ضبط رنگ رنگ
آخر سمجھ چکے ہیں کہ وہاں دل میں کیا نہیں

دل ہم نہ دینگے اور کے دینے کے واسطے
یہ تو نہ ہوگا اور کبھی حاشا ہوا نہیں

تکلیف دست و بازوئے قاتل کا فکر ہے
قاتل سے دعوئ دیت و خوں بہا نہیں

سنبھلو سنبھالو اپنے کو گرتے ہو غیر پر
سچ ہے کہ تم نے ہوش سنبھالا ذرا نہیں

اس سادگی پہ مرتا ہوں کیسا گمان ہے
دامن پھٹا ہے اور مری جاں سیا نہیں

بسم اللہ کہکے کود پڑوں بحرِ عشق میں
کشتی و ناخدا نہ سہی کیا خدا نہیں

ہم بھی سنیں بتاؤ تو کیوں آج آئے ہو
کہتے تھے یہاں قبول ہی ہوتی دعا نہیں

دیکھیں ہیں آنکھیں آپکے دزدِ نگاہ کی
چوری سے بوسہ لونگا میں اب مانگتا نہیں

کیا ذبح کرتے ہونگے سرمہ گیں سے تم
بسمل کے لب پہ زمزمۂ مرحبا نہیں

ہیں اور قرار ایک نہیں اور وفا ہزار
تم اور وعدے سیکڑوں اور اک وفا نہیں

اک شوخ شوخ چشم کا نظارہ گی ہوں میں
اے نرگسِ چمن مجھے آنکھیں دکھا نہیں

اچھا مری طرف نگہ تیز تیز کیوں
اچھا مری جراحتِ دل کی دوا نہیں

تم آنکھیں بند کرکے گرے ہو رقیب پر
یہ بھی قسم بجا ہے کہ چشم آشنا نہیں

کیوں ہائے ہائے حضرت واعظ کو پڑ گئی
ہوں توبہ توڑتا کوئی دل توڑتا نہیں

لے دل ہی دل میں خون ہوئے آرزوئے قتل
وہاں شوق آزمائش بازو رہا نہیں

ہم سے یہ ترچھی ترچھی نگاہیں بھلی نہیں
دشمن سے سیدھی سیدھی یہ ملنا برا نہیں

اک آس تو ہے وعدے پہ **انور** بندھی ہوئی
گو جاں بلب ہوں پر ابھی مرنا روا نہیں

انکو حالِ دلِ مجروح رقم کرتے ہیں
انگلیاں جائے قلم اپنی قلم کرتے ہیں

قہر کا ظلم قیامت کا ستم کرتے ہیں
وہ خدا سے نہیں ہوتا جو صنم کرتے ہیں

ہم پہ تو ظلم بھی ہے تو بھی کرم کرتے ہیں
کوئی کہدو یہ ستم ہے جو ستم کرتے ہیں

کچھ یہ کرتے ہیں کہ سجدے کو گرے پڑتے ہیں
کیا کہیں کچھ جو ترے نقشِ قدم کرتے ہیں

ہم نہ عاشق نہ وفادار پر آؤ تو ابھی
فرش آنکھیں رہِ نقشِ قدم کرتے ہیں

لینگے عاشق تری اب جنس گرانمایۂ درد
جمع دل میں یہ دم داغ درم کرتے ہیں

کس و ناکس کو لگا لاتے ہیں ہمراہ بنکر
گرتے جو ہیں یہ ترے نقشِ قدم کرتے ہیں

حشر کیا شے ہے وہ یہ شے ہے کہ او فتنہ خرام
ملکے فریاد تری کشتۂ غم کرتے ہیں

کوئے الفت میں نہ آئے کہ نہ تھا کچھ جھگڑا
گبر و زاہد ہوسِ دیر و حرم کرتے ہیں

نہ سہی تیغ یہ انداز بھی تو قاتل ہے
گو ہنسی سے ہی وہ تلوار علم کرتے ہیں

غیر اِک غیر سہی آنکھ ملاتی بھی اِدھر
آپ کیوں ہنسکے سرِ ناز کو خم کرتے ہیں

عرض گستاخی باغ اور عدو شان خدا
یہ ہی کہدو نہ کہ جو کرتے ہیں ہم کرتے ہیں

چشمِ بد دور فلک سے مجھے ڈر ہے انور
آجکل دل سے وہ ایجادِ ستم کرتے ہیں

خیالِ رخ میں ترے جب قمر کو دیکھتے ہیں
تو اِک تفاوتِ شام و سحر کو دیکھتے ہیں

وہ ترچھی ترچھی نظر سے جدھر کو دیکھتے ہیں
ہم اِک جہان اِدھر کا اُدھر کو دیکھتے ہیں

جو غور کر گئے ہم اس چشمِ تر کو دیکھتے ہیں
تو ایک دشت سراپا گھر کو دیکھتے ہیں

زمیں کو یہ سرِ ناز اُنکے پائے ناز سے ہے
کہ آسماں پہ ہم اُس رہگذر کو دیکھتے ہیں

کیا ہے میں نے لہو پانی ایک اُلفت میں
ہنر پسند مرے اس ہنر کو دیکھتے ہیں

لبوں پہ طعن سے یاروں کے جان ہے اپنی
کہ آپ اُس صنمِ فتنہ گر کو دیکھتے ہیں

طریقِ عشق میں چلتے ہیں ہوکے بے سر و پا
نہ پاؤں کو ترے عاشق نہ سر کو دیکھتے ہیں

فلک کو پاتے ہیں ہم ایک خاک کا تودہ
جب اپنے نالۂ آتش اثر کو دیکھتے ہیں

رقیب روتے ہیں اپنے دلِ گرفتہ کو
بسرے جو خندۂ زخم جگر کو دیکھتے ہیں

یہ اُنکے جلوے نے دیوانہ کر دیا ہم کو
کہ اُنکے سامنے دیوار و در کو دیکھتے ہیں

یہ دیکھتے ہیں کہ اسمیں رہا ہے کیا باقی
وہ بار بار جو پھر کر اِدھر کو دیکھتے ہیں

نیا نیا ہمیں عالم فلک دکھاتا ہے
کبھی جو خواب میں اُس فتنہ گر کو دیکھتے ہیں

قدم قدم پہ برابر ہے فرشِ دیدہ و دل
نئی روش پہ تری رہگذر کو دیکھتے ہیں

ہم اک زمانہ کو پاتے ہیں کشتہ اپنا سا
ہم آجکل تری طرزِ نظر کو دیکھتے ہیں

دل و جگر نہیں دامن میں اب کوئی دم میں
اب اور رنگ پہ ہم چشمِ تر کو دیکھتے ہیں

میں اس ادا کے تصدق ہزار جاں سے کہ وہ
خوشی خوشی ہری زخم جگر کو دیکھتے ہیں

تم اپنے ناز و نخرے سے اور کچھ بیٹھو
ہم اپنے جذبۂ دل کے اثر کو دیکھتے ہیں

ہوا جو وصل میسر تو دیکھنا قسمت
ہم اپنی شام سے رنگِ سحر کو دیکھتے ہیں

یہ ہم دکھاتے ہیں جو پارہ ہائے دلِ انور
عیار بینش اہل نظر کو دیکھتے ہیں

حشر تک دیکھئے کیا فتنے بپا کرتے ہیں
فتنے ہر دم تری ٹھوکر سے اٹھا کرتے ہیں

میں اٹھاتا ہوں جو دشمن پہ جفا کرتے ہیں
میرے جینے کی ہوس کار دعا کرتے ہیں

ناتواں دیکھ کے اسطرح جفا کرتے ہیں
مجھ پہ وہ لطف و کرم حد سے سوا کرتے ہیں

بے نیازی پہ عبث ناز کیا کرتے ہیں
یاد وہ مجھکو بے صرف جفا کرتے ہیں

جور پر جور جفا پر وہ جفا کرتے ہیں
اسپہ بھولے ہیں کہ ہم یاد کیا کرتے ہیں

اشک سے نم سر مژگاں ہے تو اب یہاں ہے محیط
مجھ پہ طوفان تیری محفل میں اٹھا کرتے ہیں

حال کیا کچھ نہ کھلے چشم خمار آگیں سے
ہے یہی راز چھپانا کہ حیا کرتے ہیں

لطف و بیداد سے کیا بحث غرض ہے انکو
جو مرے حق میں وہ کرتے ہیں بجا کرتے ہیں

جاں ستاں جانتے ہیں وضع ملامت اپنی
یہ جفا کم ہے کہ وہ عذر جفا کرتے ہیں

دور فرقت میں رہے اب وہ دکھائیں منہ کیا
وصل میں مجھ سے بجا شرم و حیا کرتے ہیں

حشر اٹھوائیے کاش اُن سے اُٹھا کر انکو
یوں عدو بزم میں بیٹھے ہوئے کیا کرتے ہیں

عجز سے ناز بڑھا شکوہ سے غصہ انکا
وہ بھی سب ہیچ اور اب یہ بھی خطا کرتے ہیں

بھول جاتا ہوں ابھی سب الم درد فراق
کوئی کہدے کہ تمھیں یاد کیا کرتے ہیں

ہے ستم کش میں جو ہمت تو ستم بھی ہے کرم
ناز ہم جانتے ہیں اور وہ جفا کرتے ہیں

کوئے دشمن میں ملا اس سے نشانِ رہِ دوست
جان ہم نذرِ نقوشِ کفِ پا کرتے ہیں

شرط ہے حسن سلیقہ بھی ستمگاری میں
خوگرِ جور ہوں وہ عذر جفا کرتے ہیں

ہے تصور کہ وہ یہ بیٹھے ہیں یہ ہیں اغیار
دلمیں ہم اپنے یہ ہنگامہ بپا کرتے ہیں

اپنے مٹنے پہ وہ یار ہیں ہے ناز تو ہم
سجدے کیا کیا سر نقشِ کفِ پا کرتے ہیں

موت کیا چیز ہے ہنگام قلق ہم دل پر
جان کو صدقے پئے دفع بلا کرتے ہیں

آسماں ضد پہ ہے ہم جانتے ہیں روز وصال
آپ مہمانئے شبہائے بلا کرتے ہیں

کاش امید شکستہ پہ ہوں یہاں سایہ فگن
وہ ترے عہد کہ دشمن سے ہوا کرتے ہیں

مجھ سے یوں ملئے کہ ہو راہ دلوں میں ورنہ
یوں تو دشمن سے بھی ملنے کو ملا کرتے ہیں

رشک دشمن پہ بھی چپ رہنے کا موقع نہ رہا
کہ وہ کہتے ہیں کہ اظہارِ وفا کرتے ہیں

کچھ نہیں ہے سر پرخاش فلک کو ہم سے
شاد ہیں دل میں کہ ناشاد رہا کرتے ہیں

ہم پہ آتی ہے قیامت کوئی دن جاتا ہے
مشورے دِل سے شب و روز رہا کرتے ہیں

چپ یوں ہی بیٹھے ہیں ہم کچھ نہ گلہ ہے نہ طلب
اِمتحاں اثر جذب وفا کرتے ہیں

کاش یوں ہو کہ اسی پردہ میں کچھ اپنی کہوں
کہتے ہیں قصۂ دشمن وہ سنا کرتے ہیں

کم کم اس دیکھنے کو انکے بہت کچھ سمجھو
اب کوئی دِن ہے کہ وہ ترک حیا کرتے ہیں

ذوق تقریر غم یار میں شرکت کیسی
آپ ہم کہتے ہیں اور آپ سنا کرتے ہیں

یوں مری نعش پہ وہ نوحہ کناں کیوں ہیں مگر
ظلم جو رہ گئے اب انکو ادا کرتے ہیں

نہیں غافل دِلِ آزار طلب سے ہم بھی
اِک ستم سہتے ہیں اور لاکھ دعا کرتے ہیں

ہم بھی اسرار محبت سے ہیں واقف اتنے
کچھ اشارے ہیں کہ آنکھوں میں ہوا کرتے ہیں

آنے میں میری دمِ نزع تو مقصد ہے کہ ہم
تادمِ آخر عشاق وفا کرتے ہیں

فکر ہے پرسشِ فردائے قیامت کی مگر
کہ ستم ناز کے پردے میں کیا کرتے ہیں

غم سے سینے میں گھٹے دِل تو فغاں کر انور
درد ہوتا ہے تو کچھ اُس کی دوا کرتے ہیں

یہ مستیوں کا رنگ ہے جوشِ شباب میں
گویا کہ وہ نہائے ہوئے ہیں شراب میں

شکوے کئے یہ انسے کہ چپ ہیں جواب میں
اپنے کو آپ بھول گیا اضطراب میں

میں حشر تک شمار کیے جاؤں یوں ستم
اچھا ہے بھول تو نہ پڑیگی حساب میں

یہاں اُنکی ضد سے سوز محبت ہوا نصیب
واعظ وہاں شریک ہے میرے ثواب میں

کیا غم دراز دستیٔ نارِ سعیر کا
دامن کو لے چلا ہوں بھگو کر شراب میں

آنکھوں میں ہو سمائی ہوئی دلمیں ہو یہاں
تم بے حجابیوں سے ہو سو سو حجاب میں

ہے کشمکش میں جان کہ ابرو میں ہے شکن
دِل پیچ میں ہے یا ترے گیسو ہیں تاب میں

لائے ہیں میرے قتل پہ تم کو کشاں کشاں
گُستاخ ہیں رقیب تمھاری جناب میں

ساقی نہ پُوچھ وار دے افسردہ خاطری
آتش ملا دی آب کے بدلے شراب میں

بگڑے ہوئے مزاج پہ چتون بنی ہوئی
شوخی بھری ہوئی نگہ پُر حجاب میں

اب بھی جو ہو وصال تو بے چھیڑے کیا بنے
ہے ہے بگڑ بگڑ کے وُہ اٹھنا عتاب میں

تعبیر ہے کہ مضطربانہ جیوں سدا
لعلِ نمک فشاں ترے دیکھے ہیں خواب میں

کیا کیا سہیں رقیب کی نازک مزاجیاں
ضد سے مرے پڑے ہیں وُہ کیا کیا عذاب میں

عشقِ صنم عذابِ جہنم ہے پر قبُول
واعظ کی ضد سے جان کو ڈالوں عذاب میں

زور آزما وُہ شوخی و شرم اور وُہ نازکی
دم چڑھ گیا کشاکشِ بندِ نقاب میں

قدموں پہ گر پڑوں کہ وُہ شاید اِدھر گریں
گرتے ہیں ایک ایک پہ جوشِ شباب میں

منظور ہے کہ خواب پہ مُلزم کریں مجھے
ورنہ وُہ مجھ سے ملنے کو آئے تھے خواب میں

انور بس اب تو بیٹھ کہیں تھک کے ایک جا
تھوڑی اُڑائی خاک زمانِ شباب میں

کچھ کچھ وہ چھیڑ لطف کے کم کم عتاب میں
ہیں وقت شکوہ گاہ خجل گہ عتاب میں
دریائے جرم ہو تو سکھا دے ہوائے عفو
کیا شکر کیجیے ساقیٔ دریا نوال کا
دیکھیگا جو رہیگا زمانے کے انقلاب
یارب وفائے وعدہ کی فردا ہے انتہا
اوّل ہے ناز سلسلہ جنبان نیاز کا
ناصح نہ بڑھ کے کوئی نہ ہوگا مرا حریف
پڑتی ہے اپنی آنکھ تو دشمن کی آنکھ پر
سنتا ہے اُن سے جوش غضب میں عدو کا حال
ہے دل کشی نگاہ میں اور دل کی ہے طلب
دشمن سے چار ہوگے ملے مجھ سے کس طرح
گھبرا گئے رقیب کے اُٹھتے ہی بزم سے
اب کچھ ہوئے ہیں غیر سے پیمانِ اتحاد
بے پردہ ہیں تو شرم سے ملتی نہیں نظر
جینا ہے حشر تک مجھے بیداد اُٹھانے کو
میرے یہ کاش پر تو صورت پڑی نہ ہو

جی ہے اُمید و یاس سے کس کس عذاب میں
سو سو سوال رہ گئے اِک اِک جواب میں
تردامنی مری ہے وہاں کس حساب میں
ڈُوبا ہوا ہوں سر سے قدم تک سراب میں
مرتا ہوں اُس نگاہ کے اِک انقلاب میں
اِک روز اور بھی ہی سہی میرے حساب میں
یُوسف گئے ہیں پہلے زلیخا کے خواب میں
کہتا ہے مجھ سے قطع محبت کے باب میں
دلدوزیاں سہی ہیں نگہ کامیاب میں
آتا ہے چھیڑ چھیڑ کے اُنکو عتاب میں
حیران ہُوں کہ اُنسے کہوں کیا جواب میں
جو آنکھ پشت پا سے نہ اُٹھی حجاب میں
اِک اِک سے بات بات کہی اضطراب میں
اب کہیے مجھ سے قطع محبت کے باب میں
گویا چھپے ہوئے ہیں نگہ کے حجاب میں
کیوں فرق آئے اُنکے شمار و حساب میں
کُچھ اور بنگئے وہ بگڑ کر عتاب میں

مضطر ہے جلوہ بہر نمائش دکھاہی دو
کیوں کر چھپیگی برق تجلی نقاب میں

کہتا ہوں بعد عرض طلب غیر سے ملو
وہی کہو جو پہلے کہا تھا جواب میں

پائی نجات خوب ہی واعظ کے ہاتھ سے
دامن ہے غرق تا بگریباں شراب میں

ارسال نامہ سے نہ تسلی ہوئی تو ہم
قاصد کے ساتھ ساتھ چلے اضطراب میں

دیکھو تو میری بات کا نکلا نہیں جواب
سوچو تو ہے سخن دہن لاجواب میں

کچھ اپنے دن پھریں تو کہیں ورنہ کیا کہیں
گردش میں ہے فلک کہ جہاں انقلاب میں

بیکار ہم ہیں اور اسے کہتے ہیں خاکداں
جی بھر کے خاک اڑائیں جہان خراب میں

ساقی کی آنکھ پر رہے انور سدا نظر
جیکو گھلا نہ فکر عذاب و ثواب میں

خونفشانی میری داخل میرے نقصاں میں نہیں
ابتو دامن میں ہے وہ کچھ جو بدخشاں میں نہیں

کیا ہے اے دست جنوں تار جو داماں میں نہیں
فرق ایسا بھی تو ناصح کے گریباں میں نہیں

سچ ہے کیونکر نہ رہے برہمئ زلف کا ہوش
تم نے دیکھا ہی مجھے حال پریشاں میں نہیں

لیگئی کیا کسی مجروح کی پہلی قسمت
کہ ذرا شور تبسم لب خنداں میں نہیں

جوشِ دل کے مرے لے ڈوبے مرے مطلب کو
کہ شکائت کے سوا بات کی عنوان میں نہیں
نکہتِ گیسوئے مشکیں نے بگاڑا ہے دماغ
اب دوائے دلِ مجروح نمکداں میں نہیں
حوصلے تو نے بڑھائے ہیں دکھا کر جلوے
کچھ سماتا نظرِ صاحبِ عرفاں میں نہیں
چارہ گر خلشِ محبت کی کھٹک کیا جانے
کہ تری نشترِ دل دوز رگِ جاں میں نہیں
تھا مری عرضِ تمنا کا جو بیکار جواب
لکھ دیا پہلے ہی مکتوب کے عنواں میں نہیں
ایک نہیں تو نہیں مجروح کی قسمت میں شریک
ورنہ کیا کچھ ترے حُسنِ نمک افشاں میں نہیں
وسعت حوصلہ سے یاس ہے اُمید اپنی
مرے دل میں وہ کچھ آیا ہے جو امکاں میں نہیں
سطوتِ عشق کو مانا کہ زلیخا کی طرح
چین کچھ حضرتِ یوسف کو بھی زنداں میں نہیں
نالہ ہائے پئے ہم کتنی تنگ ظرفی ہے

ٹھہرتا کچھ بھی دلِ عاشقِ نالاں میں نہیں

ایک یہ ہے کہ شہادت نہیں دعوے پہ مرے
مصلحت کیونکر ترے عشوۂ پنہاں میں نہیں

طپش ہے میری خوشی میں مگر انوری نے
ورد چھوڑا ہی دلِ گبر و مسلماں میں نہیں

کون ہمدم ہے کہ وہ دشمنِ جاں ہی نہیں
ہے رگِ برق نفس سینۂ سوزاں میں نہیں

مجھ سا دیوانہ و ہشیار ہو امکاں میں نہیں
خاک اڑاتا ہوں مگر کوچۂ جاناں میں نہیں

صرف دلجوئی اغیار نہ ہوتی کیا کیا
خوش ہوں یوں ہی کہ صفا خاطرِ جاناں میں نہیں

چاکِ دل سینے کو ہے رشتۂ جاں مدِنظر
تار دامن میں نہیں جیب و گریباں میں نہیں

خود ہی تکرار ہے جلوے میں تو یہاں بس کیا ہے
گرچہ کچھ تاب نظر دیدۂ حیراں میں نہیں

کوئی جا ہو دلِ بیتاب ٹھہر جائے کہیں
کیا گلستاں میں رکھا ہے کہ بیاباں میں نہیں

بیٹھنا نجد میں کیا جب قدم اُٹھے اُٹھے
اپنے کاشانہ میں ہے قیس بیابان میں نہیں

اب جو سینے سے یہ نکلی بھی تو کس کام آئی
اب خلش ہی مرے دل میں ترے پیکاں میں نہیں

جو کہے سچ ہے نہ مے پی نہ کہیں دل اٹکا
گفتگو کچھ سخن ناصح ناداں میں نہیں

جب چلے ہیں تو بصد شوق سر نشتر تیز
دامن اُلجھا ہی کبھی خار مغیلاں میں نہیں

دست بیداد سے کافر کے ہوں اتنا دل تنگ
بد دعا دل سے نکلتی حق درباں میں نہیں

ہے تذبذب کہ انہیں دیکھ کے کچھ کہہ نہ اُٹھوں
گرچہ ابتک کوئی لغزش مرے ایماں میں نہیں

آسماں کیا مرے مطلب پہ نہیں پھر سکتا
یہ کرشمہ ہی تری نرگس فتاں میں نہیں

دی جنوں نے مری ہمت کے موافق تکلیف
میں بیاباں میں ہوں وہ تنگ کہ زنداں میں نہیں

برملا غیر سے کیوں ملکے مجھے قتل کیا

کچھ کمی تو ستم غمزۂ پنہاں میں نہیں

	عمر کرتا ہوں بسر ہجر جانانہ انور ؎ جان کچھ کشمکش مشکل و امکاں میں نہیں	

کرے ریختہ دوانی اب ہما کا پر پرستاں میں ؎
قلم صرف رقم ہے وصف شاہ شیر یزداں میں
وہ ہے ذات یداللہ ہی میں جو ہے بند امکاں میں
یداللہ ہے وہ اور کیا کچھ نہیں ہے دست یزداں میں
فستار جذب دل یار کف پا ہے بیاباں میں ؎
خلش باقی نہیں چھوڑی کسی خار مغیلاں میں
مگر زاہد اُڑے گا اب پری بنکر پرستاں میں ؎
اُڑا دی آدمیت سب ہوائے باغ رضواں میں
محبت فرق کچھ رکھتی نہیں عشّاق و جاناں میں
بسی ہے بوئے پیراہن قبائے پیر کنعاں میں
لگایا دل ٹھکانے یہاں خیال زلف پیچاں میں
ملی جمیعت خاطر مجھے خواب پریشاں میں ؎
یہ کچھ آرائشیں ہیں کس کی مہمانی کے ساماں ہیں
کہ سو سو رنگ ہیں یہاں دیدۂ خوننابہ افشاں میں

نہیں انجم یہ رو رو کر کسی کے یادِ دنداں میں
بھرے ہیں ہم نے موتی دامنِ شب ہائے ہجراں میں
ہر اک جانب سے ہے نقشِ عن المطلوب عکس آرا
دل اک آئینہ خانہ ہے تجلی گاہ عرفاں میں
تری الفت میں جو سوئے گریباں ہاتھ جاتا ہے
سماتا ہی نہیں اک تار شادی سے گریباں میں
نظر کیا فرقتِ یوسف میں کرتی حال پر اپنے
کہ تھی چشمِ زلیخا روزنِ دیوارِ زنداں میں
ہوا دم بند اپنا کثرتِ صحرا نوردی سے
مجھے اِن پاؤں کے ہاتھوں ملا زندان بیاباں میں
اگر مدِ نظر ہے زینتِ بزمِ فراموشی
لگا دو نقشِ یادِ مدعی تم طاقِ نسیاں میں
اگر تصویر میں بھی ہے تو وہ پرواز شوخی سے
ملاتا ہی نہیں صورت کسی صورت سے انساں میں
یہ بھولے ہوش صدموں سے کہ سب کچھ یک قلم بھولے
مگر ہاں جان دینی یاد آئی روزِ ہجراں میں
اُڑاتا خاک ہی ہوں جس قدر ہے دشت پیمائی

کھلے ہیں ہاتھ بھی پانوں کے ساتھ اپنے بیاباں میں
اگر دیکھو تو اب اِک بات ہے دلجوئے عاشق
کہ دِل خُوں ہو کے آیا دیدہ خونابہ افشاں میں
طریقِ راستی مجھ کو ملا برگشتہ راہی سے
خدا یاد آگیا یادِ بُتِ برگشتہ مژگاں میں
ہُوا مجبُور ایسا اُس ادائے کافرانہ سے
کہ زاہد چھوڑ بیٹھا دِل خیالِ حفظ ایماں میں
عدو سے راز کا اخفا نمائش ہم سے اُلفت کی
کنائے سیکڑوں ہیں وہاں اشارے ہائے پنہاں میں
جُدا اِک دم گریباں سے نہیں ہوتا نہیں ہوتا
جنوں نے ہاتھ میرا ہی دیا شاید گریباں میں
چوراتے ہیں وُہ مجھ سے آنکھ اور میں جان دیتا ہوں
کہ اپنی زیست ہے اُس کی ادائے چشم فتاں میں
مرا اور اس بُت مخمُور کا ہے ایک سا عالم
جو وہاں لغزش قدم میں ہے تو یہاں ہے پائے ایماں میں
کہاں پست و بلند سیرِ عالم اور کہاں یُوسُف
مگر ہونا تھا ماہ مصر گرِ نا چاہ کنعاں میں

چمکتا دیکھتا ہوں نجمِ بخت مدعی اس میں
نظر آتا ہے کیا کچھ تیری پیشانی کے افشاں میں
یہ قطرات عرق سے کیوں عرق آلودہ خجلت ہے
مگر مرتا ہے کچھ پانی عقیقِ اُس زنخداں میں
وُہ چشمِ مدعا بینِ سکندر پہ ہوئی پردہ
اُڑائی خاک جتنی جستجوئے آبِ حیوان میں
بڑھے جو شوق کے ہاتھوں وُہ ناکامی سے ہٹ آئے
قدم اک کشمکش میں پڑ گئے ہیں کوئے جاناں میں
خضر ذوقِ حیاتِ جاوداں پر جان دیتے ہیں
مگر زہرِ ہلاکت تھا حجابِ آبِ حیواں میں
ثباتِ سرمدی ہے خاکِ راہِ یار میں ہونا
کیا ہے سعی کو مٹی تلاشِ آبِ حیواں میں
جھلک جاتے ہیں تارے دن کو پیشِ چشم صدمے سے
بھلا کیا فرق ہے شامِ وصال و صبحِ ہجراں میں
اگر یہاں آستیں ہے پردہ دارِ جوششِ طوفاں
چھپا رکھا ہے تم نے شورِ محشر دورِ داماں میں
اُلجھئے رشک میں کس کس سے کس سے دِل میں بل رکھئے

جہاں اُلجھا ہوا ہے اُس خمِ گیسوئے پیچاں میں
حجابِ رُخ اُٹھا کر یہ حیا سے چشم پوشی کی ؎
کہ سو نکتے نکالے ہیں فروغِ ماہ تاباں میں
ہوئیں پیش از نظارہ بند آنکھیں ایک پرتو سے
کہیں کیا ہم تجلّی ہے تمہارے روئے حیراں میں
اُٹھا ہوں خوابِ سنگین عدم سے یا صنم کہکر
پڑی یہاں طرزِ مسماری بنائے قصرِ ایماں میں
ہوا یہاں اک نظارہ سے کلیم و طور کا عالم
سمائی ہے تجلّی کس طرح اُس روئے تاباں میں
دُعا سے بند یہاں لبہائے زخم اور وہ نمک افشاں
مگر قندِ مکرّر بھر دیا اُس نے نمک داں میں
لگائے تیر اُس نے یا نگاہ قہر آلودہ ؎
لگایا اور اک پیکانِ زہر آلود پیکاں میں

نظر ہو تو نظر آتی ہے کیفیت دو عالم کی
چلو انور تماشا دیکھ آئیں بزمِ رنداں میں

کیا کہئے ذوقِ سعی ہیں ہم گام زن کہاں
دل ہے تو ساتھ دل کے ہے سامان صد شکست

ہوں ہیں جہاں وہاں سرِ سایہ فگن کہاں
جاتی ہے یاد زلفِ شکن در شکن کہاں

کچھ اُس سے فرطِ شوق ستم کا گلا نہیں — ہے آپ میں وُہ دلبر بیداد فن کہاں

پیر بزرگ پیکر و فرتوت سال ہے — جائیگا ہم سے بچکے سپہرِ کہن کہاں

بل اس میں آ گئے ہیں تمھاری مزاج کے — پائیں مزاج جعد سراپا شکن کہاں

اک بات تلخکامیٔ فرہاد تھی اُسے — شیریں تھی نام کے لئے شیریں دہن کہاں

تم چشم پوشیاں نہ کرو مجھ کو دیکھکر — پوشش برائے نام کہاں اپنا تن کہاں

دلچسپ لب ہیں بات سے معذور کیوں نہوں — جائے تو اُس کے لب سے نکلکر سخن کہاں

ہے بخت و اتفاق کہ بجھ جائے جیند سوز — ورنہ کہاں ہیں اور تمھارے چلن کہاں

ہے اضطراب و وحشتِ دل بعدِ مرگ بھی — یعنے ہماری نعش کو دفن و کفن کہاں

دل سوزِ غم سے خاک ہے اور وُہ ہی پیچ و تاب — جاتا ہے جلکے بھی خم و تابِ رسن کہاں

قُربِ عدم ہے دُور ہوں ہستی سے جسقدر — چھوڑوں وطن کو میں مجھے چھوڑے وطن کہاں

انور شکایت ستم یار خیر ہے
سوچیں تو دلمیں آپ کہ پہنچا سخن کہاں

سب خوبیاں ہیں آپ میں جائے سخن کہاں — پر انہیں کیا کہو گے جو کہئے دہن کہاں

بیداد دوست ہوں مجھے تابِ سخن کہاں — دم ہے تو ہو مگر نفسِ دم زدن کہاں

فرحت یہاں نصیب دلِ پرحزن کہاں — کُنج قفس میں آئے فضائے چمن کہاں

پیچھے پڑی ہے اُسکے شبِ وصل مُدعی — وہاں پُشت پر ہے جعد سراپا شکن کہاں

حسرت ہیں صید ہونیکے ہوں ایک سے ہزار — جائیگا مجھ سے بچکے وُہ ناوک فگن کہاں

جرم اسلئے کیا کہ سنیں اُسکے منھ سے کچھ
ہم تو زباں دراز ہیں پر وہاں سخن کہاں

شیریں کے بدلے تلخئ جاں کھچکے آگئی
پہنچا ہے زور جذب دل کوہکن کہاں

مجبور چند بیٹھے ہیں اک بت کے سامنے
واقع میں انجمن ہے تری انجمن کہاں

ہے زندگی میں تن پہ گراں تار پیرہن
مرکر اُٹھیگا نعش سے بار کفن کہاں

مستانہ ایک ایک پہ گرتی ہی دیکھ لو
جاتی ہے آپ سے نگہ سحر فن کہاں

ہر پھر کے یہ ہی گھر ہے کہ گذری ہے ایک عمر
جائے تو دل سے سوزش داغ کہن کہاں

سر پھوڑنے پہ قطع رہ عشق کا مدار
پڑتا ہے پاؤں دیکھ تو اے کوہکن کہاں

کہتا ہے اپنی اپنی ہر اک درد ناشناس
یارب ہے ایک جلوۂ بیخود فگن کہاں

راہِ وفا پہ آئے وہ یہ بھی نہیں قبول
پر خار ہے طریق وہ گل پیرہن کہاں

منصور اور سیاست افشائے راز خیر
چھوٹا ہے پر مقدر دار و رسن کہاں

انور اک آفتاب قیامت سے خوف تھا
جائے گا سایۂ علم پنجتن کہاں

دِل پہ یہ کوہ غم اور حلق پہ تلوار نہیں
یعنے انساں ہوں مجبور ہوں مختار نہیں

مانع وصل بجز پردۂ پندار نہیں
ہے تو ہے پاس نہیں تو کہیں وہ یار نہیں

زندگی ضعف سے ہے بار پہ نہار نہیں
ہوں تصور سے میں اُس در پہ جہاں بار نہیں

چونک اُٹھے طالع خوابیدہ تو دشوار نہیں
چین دیتی ہی کسی کو تری رفتار نہیں

نظر اس خوف سے اب اُس سے ملاتا نہیں غیر
جانتا ہے کہ پناہ نگہ یار نہیں

وہ تبسم نہ نمک ریز نہ مشک افشاں زلف
کچھ بھی درمان دل و سینۂ افگار نہیں

نہیں ممکن کہ نہیں دل میں ترے الفت غیر
دل ملانا ہی ترے دل سے سزاوار نہیں

دم ہے آنکھوں میں تو ہو دل اسی امید میں ہے
اور دو دم کوئی کھینچ جائیں تو دشوار نہیں

دل گرفتہ ہوں کہ شاید نہیں میں قابل صید
کہ گرفتار خم طرۂ طرار نہیں

سخن مصلحت آمیز ہے انکار انکا
لطف اقرار ہی کیا ہے اگر انکار نہیں

فکر یہ ہے کہ نہ پوچھیں وہ نشانی اپنی
مجھ کو منظور علاج دل افگار نہیں

سعی بیحد سے ہدایت ہوئی غائب اپتو
اور ابھی شوق یہ کہتا ہے کہ جی ہار نہیں

خار بھی ہوں تو ہوں یہ رنج رسائی سے نفور
کہ دل بلبل و گلچیں میں فراخار نہیں

نار یہاں رہنے کا ہے رکھے زمیں پر کیوں پاؤں تو
ترے کوچے میں کہیں سایۂ دیوار نہیں

دیکھکر غیر کو ہم کیوں نہ بگڑتے ضد سے
برہمی آپکی محفل میں سزاوار نہیں

کاش دیوار ترے گھر کی مرے سر پہ گرے
نہ سہی غیر کا گر سایۂ دیوار نہیں

حصر ایک دل پہ ہے کیا حشر اٹھانیکے لئے
آج کل دیکھتا ہوں شوخی رفتار نہیں

یوں مدارا ہو مری لاگ سے تو غیر سے ہو
یہ مروت تو تری چشم میں زنہار نہیں

جادہ اک شعلہ سرکش ہو یہ انکو منظور
امتحان اثر گرمی رفتار نہیں

پہلے کچھ حوصلہ و ضبط تو پیدا کرلیں
جب کہیں یہ کہ دکھانے ہمیں دیدار نہیں

دستیار ایک نہ ایک ہے پئے قتل عاشق
ہاتھ میں ہاں دل دشمن ہے جو تلوار نہیں

زیست یہاں انکی محبت ہے وہ میرے دم قتل
آپکو کھینچتے ہیں کھینچتے تلوار نہیں

اس تغافل منشی پہ تیرے عالم قرباں
سرد مہری تو کہیں گرمی بازار نہیں

ضد کے بندہ ہیں وہ اور یہاں طلب وصل انور
یوں کہو اُن سے کہ ہم طالبِ دیدار نہیں

بات ہم سے ہے تو جز پرسشِ اغیار نہیں
تم دہن رکھتے ہو پر یہاں لبِ اظہار نہیں

ہاں جو بھولے سے ہے اک بار تو سو بار نہیں
لفظ اقرار مگر داخلِ گفتار نہیں

تم کو بھی یوں ہی نظر جانب اغیار نہیں
ہم کہیں جیسے کہ کچھ تم سے سروکار نہیں

قتل کرتا ہے تو پھر آج سے فردا کیوں ہو
جاں ستانی ہے کوئی وعدۂ دیدار نہیں

خوش ہوں کیا میں کہ ترے ہاتھ میں دل ہے اپنا
ورنہ تو اور سر دعوئ اغیار نہیں

تلخئ کوہکن و عمرِ خضر دی مجھ کو
نہیں ملنا انہیں منظور اور انکار نہیں

دل ہے بیدرد تو سالم ہی نہیں ذوقِ نظر
ایک آزار ہے یہ بھی کہ کچھ آزار نہیں

وہ عیادت کو گئے ہیں جو عدو ہے بیمار
ہم ہیں اس فکر میں بیمار کہ بیمار نہیں

یہ ہی کام آئیگا اک دن دمِ پیغام رقیب
بات اچھی ہے کہ وہ جانتے اقرار نہیں

زیست ممکن نہیں پر جیتے ہیں تم پر مر کر
ہمکو دشوار سا دشوار بھی دشوار نہیں

دمِ پیغام جو ہاں کی تو نہیں کچھ تسکیں
ایک یہ بھی تری شوخی ہے کچھ اقرار نہیں

گو تمہیں ہو مگر اک شکل مقابل تو ہے
آئینہ دیکھتے ہو شرم نہیں عار نہیں

گو بلا ہے مگر اک مونسِ تنہائی تو ہے
مجھ کو لیلی کے برابر ہے شبِ تار نہیں

کیا عجب گر مری غمخانہ کا گل ہو نہ چراغ
کہ مجھے نام سے نزہت کے سروکار نہیں

آنکھ پھرنیکا زمانے کی ہے کیوں مجھ پہ مدار
گردشِ چشم میں کچھ نقطۂ پرکار نہیں

زیرِ ایواں ترے اک اور بلا مجھ کو قریب
چشمِ عاشق ہے مگر روزنِ دیوار نہیں

بات میں چال وہ چلتے ہیں کہ رفتار کہوں
چال میں بات وہ جو قابلِ گفتار نہیں

دیکھنے میں انہیں تو دیکھتے کیا کیا نہیں ہم
نظر آتے نہیں تو زیست کے آثار نہیں

کاش اقرار نہ کرنا تری عادت ہوتا
قہر یہ ہے کہ کہیں ہے کہیں اقرار نہیں

قابلِ رشک ہے یہاں انکی گرانقدریٔ حسن
بے بہا ہیں تو کوئی انکا خریدار نہیں

یہ تو کچھ اور ہیں واعظ نہ الجھنا ان سے
کہ کچھ اپنے ہی میں رندانِ قدح خوار نہیں

گھر میں ہے وحشت کا سامان مجھے وحشت کے سبب
ہاتھ دامن سے الجھتا ہے اگر خار نہیں

تیغ وہاں ہاتھ میں ہے دلمیں غمِ پرسشِ حشر
میں خطاوار سہی گرچہ خطاوار نہیں

عالم آشوب ہے نیرنگِ نگاہِ مخمور
مست تو مست ہے ہشیار بھی ہشیار نہیں

واجب الرحم ہوئے جرم و خطا سے اغیار
میں خطاوار ہوں اس میں کہ خطاوار نہیں

اپنے اس کثرتِ نظارہ نے سب بند کئے
دیکھتا ہوں کہ کوئی روزنِ دیوار نہیں

بندۂ بت ہوئے کچھ یاد نہیں ریو و فریب
اب نئے سر سے تو انور کوئی اقرار نہیں

سچ تو ہے جو طرف یار ہے گو یار نہیں
بزم عاشق ہے کچھ آغوش ہوس کار نہیں

کیا سبک دوش ہوں الفت میں کہ سر بار نہیں
سر نہیں یہاں جو سرِ مصلحت کار نہیں

جلوہ دکھلانے سے وہاں بے طلب انکار نہیں
ہم بھی کہتے ہیں کہ ہم طالبِ دیدار نہیں

خار ہوں زار ہوں پر اسکی نظر میں تو نہیں
کیونکہ کہدوں کہ پناہ نگہ یار نہیں

یونہی بیٹھے گا کبھی گریہ گستاخ اپنا
اے فلک کچھ ترے کاشانہ کی دیوار نہیں

طلب وصل پہ خاموش ہیں اور میں کم گو
یہ بھی اقرار ہے انکا کہ کچھ اقرار نہیں

جان دیتے ہیں بس اب اہل ہوس بھی تجھ پر
گرچہ مرتا ہوں یہ مرنا بھی سزاوار نہیں

سینہ میں جان کا ہو جائگا رہنا مشکل
دل کا لانا تو تری بزم سے دشوار نہیں

محفل غیر سے اس چال سے لاویں اسکو
کہ قیامت کے برابر تری رفتار نہیں

برق و محشر کہوں کچھ سوچ کے گر کچھ دم لے
ٹھہرتی دل میں تو وہ شوخیٔ رفتار نہیں

مدعا صاعقۂ جلوہ سے جل جاتا ہے
میں تو موسیٰ کی طرح طالب دیدار نہیں

یہ نزاکت نہیں ضد ہے کہ مرے قتل پہ تم
ہاتھ اٹھا لیتے ہو تلوار سے تلوار نہیں

لاکھ پھرتا ہوں پر آغاز او رانجام ہے ایک
حاصل کار بجز گردش پرکار نہیں

آشیاں اپنا سراپا ہے اگر خار تو کیا
آنکھ میں برق کی کھٹکا کرے وہ خار نہیں

اک غزل اور کہ آخر یہ سخن ہے انور
سخن اک بات ہے اور بات تو دشوار نہیں

وصل اغیار سے گر مطلب انکار نہیں
ہم بھی کہتے ہیں کہ ہم طالب دیدار نہیں

ایک یہ بھی تری شوخی ہے کہ اقرار نہیں
مجھ کو بھی کچھ خلش عاقبت کار نہیں

گر یہی دورۂ اغیار ہے مثل پرکار
آپ پھر کیا ہیں اگر نقطۂ پرکار نہیں

کیا ہوا ہو گیا گر تا نہیں سر پہ مرے
آسماں پر تو کہیں سایۂ دیوار نہیں

عشق میں ملنے درستیٔ شکستِ باز آ
جنس غم مفت ہے اور کوئی خریدار نہیں

شائد آجاؤں کفِ پا میں ترے اسلئے میں
ناتوانی سے ترے راہ میں ہوا خار نہیں

ہم فغاں کرتے ہیں ایما ہے کہ ہو ایک نگاہ
ہاتھ وہ کانوں پہ رکھتے ہیں خبردار نہیں

دیگر

سینے میں دل سے لگا تا بہ جگر کچھ بھی نہیں
تری مہمانی کو اے تیر نظر کچھ بھی نہیں

کہتے ہو پاس عدو مدِ نظر کچھ بھی نہیں
کیا یہ چشمک یہ اشارے ہیں اگر کچھ بھی نہیں

کیا یہ کہتے ہو محبت میں اثر کچھ بھی نہیں
الفراللہ کی قدرت پہ نظر کچھ بھی نہیں

دل کو کیا جانتے ہو دل کی خبر کچھ بھی نہیں
کچھ قیامت سے سوا ہے یہ اگر کچھ بھی نہیں

دل ہے یک قطرۂ خوں سینہ میں سو کام کا ہے
بس ترے رونے کو اے دیدۂ تر کچھ بھی نہیں

دم کے دم ٹھہرے تو مرنے ہی کی تدبیر کروں
کچھ تو مہلت دے مجھے دردِ جگر کچھ بھی نہیں

ٹیڑھی ترچھی کوئی پڑ جائے تو دیکھے واعظ
اور یوں کہنے کو تو برق نظر کچھ بھی نہیں

کچھ کہیں کیا کہ اسی میں ہے نہاں کچھ اسرار
نظر آتا ہے تو مضمون کمر کچھ بھی نہیں

ہے جو اک مہر جبیں جلوہ فروز لبِ بام
تو سماتا مری نظروں میں قمر کچھ بھی نہیں

بارشِ تیرِ جفا بارشِ باراں ہی سہی
پہ سمجھتی یہ تری سینہ سپر کچھ بھی نہیں

مژدہ اے بخت عدو وہاں ہے نمائش یہ نظر
حسرت اے جذبۂ دل تجھ میں اثر کچھ بھی نہیں

تیوری چڑھنے لگی عرضِ تمنا کیا ہو
خیر کچھ بھی نہیں اے عربدہ گر کچھ بھی نہیں

نہ مری جان کی خواہش نہ مرے دل کی طلب
دل میں کیا کچھ ہے کہ منظور نظر کچھ بھی نہیں

یہ چلن کیا یہ روش کیا یہ طریقہ کیسا
ابھی طوفاں ابھی اے دیدۂ تر کچھ بھی نہیں

زندگی چند نفس اور ہوا میں سرشار — اک حباب لب دریا ہے بشر کچھ بھی نہیں

دل ہوا خون جگر آب ہوا جان ہوا — کچھ کا کچھ یہاں تو ہوا ہمکو خبر کچھ بھی نہیں

گریہ بے رنگ مرا نالہ مرا بے تاثیر — ہوں میں کہنے کو ہنرمند ہنر کچھ بھی نہیں

تو اور ایک حسن کہ عالم کی نظر میں کیا کچھ — میں اور ایک جاں کہ پھرتی ہی نظر کچھ بھی نہیں

تیری رفتار ہے اثبات قیامت پہ دلیل — کہ یہ بیچ شعبدہ کیا ہے وہ اگر کچھ بھی نہیں

دھوم ہے دھوم کہ یوں ہوگا اگر یوں ہوگا — بس بس اے نالۂ ناکام اثر کچھ بھی نہیں

مجھ کو کچھ کچھ نظر آتا ہے یہ کیونکر کہہ دوں — آئینہ پیش نظر مد نظر کچھ بھی نہیں

تیغ و خنجر کی عبث فکر ہے عاشق کے لئے — ہے کمر تیغ اگر زیب کمر کچھ بھی نہیں

ہیں مرے سینہ میں جان و جگر و دل باقی — حضرت عشق کے آثار مگر کچھ بھی نہیں

کفر توڑا نہ برہمن کا نہ کبر زاہد — ہاں سلیقہ تجھے اے شعبدہ گر کچھ بھی نہیں

قتل کرتا ہے دم غصہ یہ کہنا تیرا — ہائے کیا کیجے کہ یہاں زیب کمر کچھ بھی نہیں

وہاں تبسم اور ادھر وصل کے سامان کیا کچھ — یہاں تمنا اور ادھر مد نظر کچھ بھی نہیں

نہ تو سینہ مرا دھویا نہ غبار دل یار — تو جو سب کچھ ہے تو اے دیدۂ تر کچھ بھی نہیں

دیکھ تو کون ہے آشوب تجلی منظور — پاک اے دیدۂ بیباک نظر کچھ بھی نہیں

غیر سے یہ بھی ہے اک گھات کہ حر کا مارا — ہے شرارت کہ نظر میں تری شر کچھ بھی نہیں

دل تو ایک کاہش جان جان ہے اک آفت دل — روز آغاز ملا مجھ کو مگر کچھ بھی نہیں

بات تو یہ ہے کہ کچھ کھو کے کچھ پاتے ہیں — جائے گر عشق میں دل جائے ضرر کچھ بھی نہیں

دوڑ کر صید سے اب آپ لپٹ جا آخر
تیری ترکش میں کماندار اگر کچھ بھی نہیں

اجلِ پائے شکستہ کا عصا ہی ہوتا
ہائے یہ نالۂ گم کردہ اثر کچھ بھی نہیں

تم تو یوں محوِ ستم ہو کہ مگر پیشِ خدا
اصلِ فریادِ دل و درد و جگر کچھ بھی نہیں

ڈالیے دانہ تو ہوتا ہے کچھ انور حاصل
کیوں کہوں اشک فشانی کا ثمر کچھ بھی نہیں

اس شبِ غم میں بچے ہیں نہ بچینگے انور
جم گئی شام سے دل پر کہ سحر کچھ بھی نہیں

ردیف واؤ

رہبری کیا رہروانِ منزلِ تسلیم کو
جادہ جادہ خضر ہے اس راہ کی تعلیم کو

خاک ہو کر بھی نہ چھوڑا عزت و تکریم کو
خود بخود بنکے اُٹھے اپنی ہم تعظیم کو

چھیڑنا ہے ہم کو ذکرِ طولِ شبہائے فراق
دیکھنا ہے ایک دن روزِ امید و بیم کو

کیا کہوں کہنے ہی میں ساقی فریادل نہیں
ورنہ واعظ یہاں دکھادوں کوثر و تسنیم کو

جب تواضع سے جھکے خجلت سے دشمن گڑ گیا
تیغ کا خم جانتے ہیں ہم خمِ تسلیم کو

رنگ بدلا وہاں طبیعت نے ہوائے غیر میں
آج وہ محفل میں کیوں اُٹھے مری تعظیم کو

کچھ کا کچھ کرتی ہے دم میں گردشِ چشمِ صنم
اے منجم پھونک دے تو سال کی تقویم کو

دشمنِ ہمسر تجھے جانا تو لے بالا بلند
آسماں پہلے ہی سے خم ہو گیا تسلیم کو

دو اِدھر سے آئینگے اور چار اُدھر سے دادخواہ
بن پڑیگی کیا انھیں روزِ امید و بیم کو

جو بلا اتری فلک سے جھک گئی گردن مری
جو اُٹھا فتنہ زمیں سے میں اُٹھا تعظیم کو

ظرفِ عالی رکھتے ہیں ساقی ترے تفتیدہ دل
ایک چُسکی میں اُڑا دیں کوثر و تسنیم کو

طالعِ بد اپنا سو گردش میں وُہ ہی بد رہا
میم ہی گویا کہ میم آیا جب اُلٹا میم کو

کون آتا ہے مرے بالیں یہ ہمدم دیکھنا
درد اُٹھ اُٹھکر اُٹھاتا ہے مجھے تعظیم کو

برق کیونکر ہو نہ وہ قاتل کہ خود شوخی پرست
اور روزِ اک تازہ بسمل کی تڑپ تعلیم کو

ایک دِل اور فردِ خنجر وحصّہ موئے مژہ
ہاں اب اے تیغِ نگہ دیکھیں تیری تقسیم کو

رسم و راہِ آدمیت میں نہ جو کے ہم کہیں
درد دل اُٹھا تو یہاں اُٹھنا ہوا تعظیم کو

جادہ خاموشی ہے اور بانگِ شکستِ آرزو
اِک جرس ہے کاروانِ منزلِ تسلیم کو

سادہ دل وُہ ہوں کہ میں سمجھا نہ وقتِ قتل بھی
ہاتھ اُٹھایا قتل کو قاتل نے یا تسلیم کو

دِل میں تیرے اے صنم گر تھا خدائی کا خیال
توڑتا تھا اپنی جانب پہلے ابراہیم کو

زاہد اپنی فکر کر اور یہاں تو وقتِ بازپرس
کہہ اُٹھینگے کچھ نہ کچھ روزِ امید و بیم کو

ایسی قربانی کے صدقے دوست سے نسبت ملے
ہیں ذبیح اللہ کہتے ابنِ ابراہیم کو

ہم سبق خوانِ یکی میں کیا تو و من کا ذکر ہے
اپنی ابجد سے نکالا ہم نے تا و میم کو

حق تو یوں ہے حشر تک سیکھتے نہیں آدابِ عشق
وُہ لحد پر آئیں اور اُٹھیں نہ ہم تعظیم کو

دِل ہیں بحرِ اُلفت ساقی ہے انور عجزان
جانتا ہوں ایک قطرہ کوثر و تسنیم کو

محبت ہو تو برقِ جسم و جاں ہو
وُہ آتش کیا کہ سینہ میں نہاں ہو

نہیں ہو اور پھر کہنے کو یہاں ہو
حریفِ بدگماں کے ہم گماں ہو

تحیر فرطِ شوقِ دید سے ہوں
وہیں مجھکو بھی دیکھو تم جہاں ہو

سُنی جاتی ہو جب محشر میں رُوداد
تو اپنی ختم کیونکر داستاں ہو

وُہ مستغنی سہی پر دل گیا ہے
جو پھر ہو تو انھیں پر کچھ گماں ہو

جو سچ ہو وعدۂ دیدار اُن کا
تو باتوں میں قلیت کیوں عیاں ہو

مجھے سر پھوڑنے میں عُذر کیا ہے
مگر اُنکا ہی سنگِ آستاں ہو

تمھیں وہ پردہ یہاں ہے پردہ داری
مرے دل میں نہیں تو پھر کہاں ہو

رُکا جاتا ہے دم سینہ میں کیا کیا
گلے پر کاش خنجر ہی رواں ہو

چھپائے ہم سے کیا کیا راز اپنے
اگر کوئی ہمارا رازداں ہو

رہے کیوں تلخیٔ فرہاد کا ذکر
اگر شیریں کی شیریں داستاں ہو

زلیخا پر نہ ہو کیوں نازشِ عشق
کہ جب یُوسف متاعِ کارواں ہو

عدو خوش خوش ہے کچھ کہکر سنا ہے
نہ مانوں گا کبھی تم بے دہاں ہو

بلا ہے بیٹھے رہنے کا سہارا
جہاں ہو اور تمھارا آستاں ہو

اسی میں فیصلہ سمجھا ہوں دل کا
کہاں تک دیکھیے ضبطِ فغاں ہو

یہاں بیٹھے ہو پر کچھ اُکھڑے اکھڑے
نظر ملتی نہیں دل سے کہاں ہو

سراپا سوز ہے اُلفت میں انور
عجب کیا ہے اگر آتش زباں ہو

ملینگے تم سے یہ کیونکر گماں ہو
گماں جس جا نہ پہنچے تم وہاں ہو

یہیں ہیں اور کہتے ہو کہاں ہو
مگر تم بھی مجھی سے بدگماں ہو

شکایت دل سے لب تک بھر رہی ہے
کہوں کیا کچھ جو کہنے میں زباں ہو

یہی چپ ہے تو اپنا راز الفت
نہاں ہے سب پہ اور سب پر عیاں ہو

کسی پردہ میں ہو گو سامنے ہو۔
کہیں ہو پر تصور سے یہاں ہو

یہ حسرت خوں نہ ہو ولیں تیغ ہو گیا
کہ میرا سر اور انکا آستاں ہو

ہوا امر ناستم عرض وفا پر
نہ انکو بیوفائی کا گماں ہو

نظر میں فرط مستوری سے ہو تم
نہاں جتنے ہو اتنے ہی عیاں ہو

نظر بنکر ملا ہے مجھ سے دشمن
کہ تم آنکھوں میں کافر کی نہاں ہو

چلو واعظ کو بزم انکی دکھائیں
کہ روز حشر میرا ہمزباں ہو

کبھی کا دوست تھا درباں بھی ورنہ
ہمارا سر اور انکا آستاں ہو

چمن میں ہے غرض مسکن سے اتنی
کہ نذر جور صیاد آشیاں ہو

مذاق عشق وہاں پہنچا کہ مجھکو
حدیث تلخ دشمن نوش جاں ہو

نہ اٹھے پہلوئے دشمن سے ہرگز
سبک ہو کس قدر کتنے گراں ہو

نہ ملنے کا نیا یہ عذر دیکھو
وہ مجھ سے ملکے کہتے ہیں کہاں ہو

لحد میں یاس سے دیکھینگے کسکو
کوئی زیر زمیں بھی آسماں ہو

یہ از خود رفتگی اتنی لئے ہے
کہ تم مجھ سے کبھی پوچھو کہاں ہو

رہے یوں ذکر خاموشی میں انکا
کہ دل سے جاری اور ساکت زباں ہو

قباحت امتحاں کی اور مجھے سہل
محبت کا مری کیا امتحاں ہو

کوئی سمجھے کہیں یوں اپنے دل سے
وگرنہ تم اسی جا ہو جہاں ہو

نگاہوں سے مجھے کیونکر گرایا
نزاکت میں جو یکتائے جہاں ہو

تم اور خلوت میں آئینہ سے کیا کام
کوئی دیکھے تو کیا کچھ بدگماں ہو

خمارِ مے کا پردہ ہے وگرنہ
حقیقت میں مجھی سے سرگراں ہو

بجز اسکے کہ ہے خلوت میں ہردم
وفائے غیر کا کچھ تو بیاں ہو

حدیثِ شوق کامِ جان و دل ہے
رہی کچھ دلمیں پنہاں کچھ عیاں ہو

مگر درباں مرا بختِ رسا ہے
کہ سر میرا اور انکا آستاں ہو

ملے اے دردِ دل اتنی تو فرصت
کہ دل خوں ہو کے آنکھوں سے رواں ہو

یہ تھوڑا ہے کہ جو چپ ہے انور
خدا ناکردہ جو گرمِ فغاں ہو

ہو گئی آتش بیانی قہر مجھ دلگیر کو
کان رکھکر وہ نہیں سنتے مری تقریر کو

قابلِ تحسیں کیا ہے لطفِ زخمِ تیر کو
لوٹنے کا حوصلہ دونا ہوا نخچیر کو

ہر صدا اسکی ہلاتی ہے سپہرِ پیر کو
نالۂ دل سے بنایا ہے مری زنجیر کو

لائے ہیں باتوں سے یہاں اس عالمِ تصویر کو
وسعتیں دیں ہیں غضب ہی شوخیٔ تقریر کو

دل مرا اور توڑ دے عزمِ دشت گردی حیف حیف
توڑ دے اے دستِ وحشت پاؤں کی زنجیر کو

غیر اس سے دم چرائے اور یہاں سامان نیست
ہم تو اپنا دم سمجھتے ہیں دمِ شمشیر کو

کیا مٹائینگے ہم اُسکے دل سے نقشِ یادِ غیر
جب مٹا سکتے نہیں اپنے خطِ تقدیر کو

گر فلک سے ہم بگڑ بیٹھیں تو کہئے کیا بنے
تم تو آخر جانتے ہو نالۂ شبگیر کو

گو بظاہر ہے حریفِ سرشکن پہ اصل میں
ایک ربطِ معنوی ہے شمع سے گلگیر کو

کہتے ہو وقتِ سوالِ وصل کیوں ہرگز نہیں
پڑھ لیا ہے تم نے کیا میرے خطِ تقدیر کو

ہم سے انور کوہکن کو عشق میں سبقت نہیں
کون مانے عہد کی تقدیم اور تاخیر کو

ضعف میں کہئے رہائی قید کی تدبیر کو
وسعتوں سے بھر دیا ہے خانۂ زنجیر کو

تابِ نظارہ نہیں خود عاشقِ دلگیر کو
بے نقاب اس نے رکھا ہے رُوئے پُر تنویر کو

وُہ اور آنکھوں سے لگائے غیر کی تصویر کو
دیکھتا ہوں زورِ کلکِ کاتبِ تقدیر کو

پلئے الفت درمیاں ہے گو جنوں کا زور ہو
کوئی خالی چھوڑتا ہوں خانۂ زنجیر کو

دیکھکر مُنھ فق مرا کہتے ہیں وُہ کیا رنگ ہے
رنگِ سرخ سمجھا ہوں اپنے رنگ کی تغییر کو

وہم یہ گذرا کہ صورت آشنا ہوگا بھلا
ہم نے اِک عالم میں جب دیکھا تری تصویر کو

وصل کی شب صبح ہونیکی خوشی اللہ رے
دل سے سنتا ہے اذانِ صبح کی تکبیر کو

اِک تری پاسِ نزاکت سے دوئی وحدت میں ہے
دل نے چھوڑا آہ کو اور آہ نے تاثیر کو

اے دعائے صبحگاہی مجھکو اب بھی دیکھنا
بے اثر سمجھا ہوا ہوں نالۂ شبگیر کو

دل بھر آتا ہے اُس صیادِ نو آموز کا
یارب اِک دل کے عوض سو دل ملیں نخچیر کو

کیا وُہ اِک پروانہ کا مرنا کہ ہو جسکا قصاص
آپڑی ہے لاگ ہی پر شمع سے گلگیر کو

غیر کی تقدیر میں جو کچھ کہ چاہا لکھدیا
کاوشوں ہی کاوشوں سے سر بسر لبریز ہے
وہاں سکھائی بے نیازی یہاں تنائی راہ شوق
ربط پیوستہ اسے اور جذبہ جستن اُسے

واوری چھکیا کہوں میں کاتبِ تقدیر کو
دل سے لایا ہے مگر فرہاد جوئے شیر کو
پیر و مرشد جانتا ہوں آسمانِ پیر کو
ہے بہت مشکل تری چٹکی سے چھٹنا تیر کو

اک غزل ہو اور بھی کچھ قول ناسخ تو نہیں
انور اس تطویل میں کیا دخل ہے تقصیر کو

مجھکو دیکھو اور پیامِ وصل کی تقریر کو
اور جرمِ رہزنی پر ہو سزا نخچیر کو
کیا کہوں فکرِ کشادِ خاطرِ دلگیر کو
ناز اُسکے ناز پر ہے غیر پر تقصیر کو
حال میرا غیر ہے جو بر سرِ بازی ہیں وہ
میرے جذبِ دل سے اور میری نظر سے ہے مجال
اے تصور آخرش اک صورت کش عالم ہے تو
ہم سے کیوں دامن بچائے ہو کہ حفظِ وضع سے
شورشِ محشر کہاں ہے اب کہ قسمت ہو گئی
گر لکھا ہے نام دشمن ہی تو مٹ سکتا نہیں
زیست کا باعث ہے اور فکرِ خیال قطع سے

اک جہان ظلم لازم ہے مری تقصیر کو
دل میرا اُڑ کر لپٹ جاتا ہے اُسکے تیر کو
شستِ دشمن میں بحسرت دیکھتا ہوں تیر کو
کھینچتے کھینچتے اک قیامت چاہئے شمشیر کو
انقلاب ہر گھڑی ہے رنگ کی تغییر کو
چھپ کے جانا آپ کو اور بچ کے چلنا تیر کو
تو ہی لے آ کھینچکر اُس عالمِ تصویر کو
پہلے ہی یہاں توڑ بیٹھے دستِ دامنگیر کو
کچھ وہاں نظروں کو کچھ یہاں نالۂ شبگیر کو
جانتے ہیں ہم خطِ تقدیر اُس تحریر کو
ہم رگِ جاں کہہ نہیں سکتے تری شمشیر کو

نام زور بازوے فرہاد اس سے ہی تو ہے
سر ہے اُس کافر کا اور تکیہ ہے وُہ زانوے یار
کوئی ایسی لمعہ افروزی ہوئے نیرنگ عشق
صدمۂ فرقت نہیں اُٹھتا تو کس کس میں ہے

شمع بزم خود نمائی کہئے جوئے شیر کو
پڑھ لیا ہم نے جبین غیر کی تحریر کو
اُن پہ ہم پروانہ دیکھیں شمع ساں گلگیر کو
دیکھتا ہے مجھ کو دل اور میں سپہر پیر کو

پند واعظ پر نہ پُوچھ انور کہ کس کس فکر میں
دیکھتا ہوں دمبدم دست گریباں گیر کو

عشق ہے عشق محبت کی ادا سے مجھ کو
کُشتۂ عشق ہوں کیا کام فنا سے مجھ کو
اب نہ شرمائے کوئی عذر جفا سے مجھ کو
جَور سہہ سکے یہ خوش خوش ہوں کہ محشر میں مگر
سجدہ آموز محبت ہے ادا سنجی شوق
ہے ستم تو مگر اک لطف سے دعویٰ کیا ہے
لا کے وہاں چھوڑ دیا مجھ کو جہاں سے نہ ٹلوں
بندۂ مجرم و بیمار و اسیر اُسکا ہوں
ڈال دُوں زیر قدم دلکو جو ملتا ہو نصیب
اسکو بھی راہ بھلا دے مری بیتابی نے
وہاں مُحرہ دامن ہی نہیں جسپہ کوئی ہاتھ پڑے

ہوتش آتی ہے نواہائے درا سے مجھ کو
اُس نے مارا ہے دم رُوح فزا سے مجھ کو
کچھ تو کہنا ہے کسی روز خدا سے مجھ کو
بخشوائینگے جفا کار خدا سے مجھ کو
راہ کچھ ٹیڑھ ہوئی راہ نما سے مجھ کو
اُس نے مارا ہے محبت کی ادا سے مجھ کو
اب بھی شکوہ ہی رہا راہ نما سے مجھ کو
کچھ تعلق سے تعلق ہیں خدا سے مجھ کو
اُس کی منزل کے کیسی آبلہ پا سے مجھ کو
راہ منزل نہ ملی راہ نما سے مجھ کو
فائدہ کیا ہے مرے دست رسا سے مجھ کو

سُن سکوگے کہ ہر اک شخص کہیگا اِک دن
اِس نے مارا ستم آمیز ادا سے مجھ کو

جو نہ کام آئے یہاں کام ہے پھر کیا اُنسے
کیا قیامت کو ملائینگے خُدا سے مجھ کو

دِل کے اُلجھاؤ کہ اسرارِ نہاں جنسے کھلے
ہاتھ آئے ہیں کبھی زلفِ دوتا سے مجھ کو

کچھ نہیں ہستیٔ موہُوم میں جز گردِ فنا
یہ سبق یاد ہے تعلیمِ فنا سے مجھ کو

اُسکے در پر صفتِ نقشِ نگیں بیٹھا ہوں
کہیں ٹلنا کہیں اُٹھنا نہیں جا سے مجھ کو

دھیان یہ ہے کہ محبت کی بنا ہوں جسمیں
آگہی ہے نہ جفا سے نہ وفا سے مجھ کو

حشر کو واسطۂ قرب ہے بیداد کشی
بات کرنے کی ہوئی آس خُدا سے مجھ کو

اُنکی مٹی میں مگر آبِ بقا ساری ہے
زندگی مل گئی خاکِ شہدا سے مجھ کو

آنکھ ملتی نہیں اور آپ ملے جاتے ہیں
آزماتے ہیں جفاؤں پہ وفا سے مجھ کو

تو نے شرما کے نہ کی ایک گنہ کی پرسش
ہے بڑی آس تیرے حلم و حیا سے مجھ کو

غمِ عصیاں میں جو مضطر مجھے دیکھا **انور**
اُس کی رحمت نے دئے لاکھ دلاسے مجھ کو

یاس کیوں ہو غمِ فرقت کی دوا سے مجھ کو
اَور کو آس ہے بندے سے خُدا سے مجھکو

اب جو صحت ہو تو دشمن کی دُعا سے مجھکو
اُنس ہے درد سے نفرت ہے دوا سے مجھکو

مجھ سے نفرت ہے اُنہیں یوں کہ دوا سے مجھکو
چارہ فرما نظر آتے ہیں خفا سے مجھ کو

راہ وُہ جسکی تمنا ہے سدا سے مجھ کو
لگتی طوفِ مزارِ شہدا سے مجھ کو

کام کیا دردِ محبت میں دوا سے مجھ کو
اُنس ہے غیر کو نفرت ہے شفا سے مجھکو

دیکھ سکتا نہیں آزاد دُعا سے مجھ کو
ہاتھ اُٹھانا ہے تمنائے دُعا سے مجھ کو

جو نہیں ہو طلب اسکی ہے خُدا سے مجھ کو
یاس سے یاس ہے تائید دُعا سے مجھ کو

ہجر کا رنج کہ افزوں ہے قضا سے مجھ کو
اِک نہ اِک روز ملا دیگا خدا سے مجھ کو

باب رحمت نہ کھلے یوں تو یہ ہے بات ہی اور
ہے توقع تو بہت آہِ رسا سے مجھ کو

کیا خبر ہے کہ نگہ اُس کی اِدھر کو ہی ہے
کیا ڈراتا ہے کوئی روز جزا سے مجھ کو

میں کہیں اور رہوں سامان تعلق کہیں اور
مجھ سے نفرت ہے فنا کو تو فنا سے مجھ کو

مجھ سے ملنا نہیں اور یوں الگ آنا جانا
ہے لڑائی تیرے کوچے کی ہوا سے مجھکو

مر کے ہمسایہ ترا زندہ جاوید رہا
چھیڑ سی چھیڑ ہے ہر وقت قضا سے مجھ کو

ہے تو دل کے لئے اک گونہ طپش ہی منظور
ورنہ کیا کام کسی شوخ ادا سے مجھ کو

ہو گئے آزاد ہی چندے یوں ہی رہنا ہے اسیر
ربط تھا کس قدر اک زلف دوتا سے مجھ کو

چرخ کجباز نے دنیا کے دکھا کر نیرنگ
میں ڈالا ستم لطف نما سے مجھ کو

سختیاں کھینچکے ثابت قدم عشق رہا
کھل گیا رنگِ وفا طرزِ جفا سے مجھ کو

عِشق کا نام بُرا عشق کے سب کام خراب
لوگ ناکام بتاتے ہیں وفا سے مجھ کو

مَیں گنہ کر کے گنہگار تمھارا ٹھہرا
نسبت خاص لگی ہاتھ خطا سے مجھ کو

شوق کامل سے نکل آئی جدا راہ وصول
کچھ تعلق نہ رہا راہ نما سے مجھ کو

جو گنہ مجھ سے ہوا عفو کیا ٹال دیا
حوصلہ اور ہوا اُنکی حیا سے مجھ کو

سو کبھی اور پتے کی نہ کہی ایک کبھی
لاگ ہے بُلبل آشفتہ نوا سے مجھ کو

اک محبت میں بسر کی ہے سو وہ بھی کیسکے
خوف کیا پرسش ہنگام جزا سے مجھ کو

دلِ آسودہ بھی دُنیا میں کہیں ہے انور
غیرت آتی ہے مری آہ و بکا سے مجھ کو

ردیف ہا

ترچھی ادائیں رکھتے ہیں سیدھے چلن کے ساتھ
اک بانکپن کے چلتے ہیں وہ بانکپن کے ساتھ

جاتا ہوں بزم غیر میں اُس سیمتن کے ساتھ
اپنی ہر ایک چال ہے دیوانہ پن کے ساتھ

گردن بندھی ہے زلف شکن در شکن کے ساتھ
وابستہ اک جہاں ہے ترے اس رسن کے ساتھ

ناز و ادا و غمزہ و شوخی و فن کے ساتھ
آئے وہ انجمن میں تو اک انجمن کے ساتھ

ڈالا ہے وحشتوں نے نئے چرخ میں مجھے
پھرتا ہوں ایک پاؤں سپہر کہن کے ساتھ

ہوں بعد مرگ حسرت مردہ کا سوگوار
اک ماتمی لباس ہو میرے کفن کے ساتھ

اللہ رے اپنی خوبی گفتار کا خیال
آپے سے نکلے جاتے ہیں اپنے سخن کے ساتھ

مے پی کے لوٹتے ہیں درِ خانقاہ پر
تقوی کی ایک چھیڑ ہے مستانہ پن کے ساتھ

حکمت ہے وقتِ قتل مرے خامشی تری
عاشق میں جان آتی ہے ہر ہر سخن کے ساتھ

روتا ہوں یار کے لب و دنداں کی یاد میں
دُرِّ عدن برستے ہیں لعلِ یمن کے ساتھ

ہے ضعف دستگیر تو کوچہ میں یار کے
اک دن لپٹ کے چلینگے بہار چمن کے ساتھ

انصاف اپنا روزِ قیامت بھی ہو چکا
کشتوں کا حشر ہوگا اسی تیغ زن کے ساتھ

زخمی تمہاری تیغ کے ایذا پسند ہیں
قیمت نمک کی تیز ہے مشکِ ختن کے ساتھ

مُردہ سا ہوں فراقِ وطن میں پڑا ہُوا
شائد کہ رُوح کو ہے تعلق وطن کے ساتھ

اُلفت میں تیرے قد کی مجھے لاگ ڈانٹ ہے
ایک ایک سرو باغ و نہال و چمن کے ساتھ

مرتا ہوں ایک شوخ کے رنگِ صبیح پر
آتی ہے جان بُوئے گُلِ یاسمن کے ساتھ

پھرتے ہیں تازہ فتنے اُٹھانیکی فکر میں
چکر میں آپ بھی ہیں سپہرِ کہن کے ساتھ

ناکامیٔ وصال کا پیغام ہے مجھے
شیریں کا ذکر بھی نہ کرو کوہکن کے ساتھ

جور و جفا و ناز سے کرتے ہیں پائمال
چلتے ہیں ایک چال کو سَو سَو چلن کے ساتھ

آیا ہے میرے مرنے کی سُنکر وُہ بدگماں
کوئی لپیٹ دو مجھے زندہ کفن کے ساتھ

انورؔ جو ضد پہ آئیں تو کیا اصل چرخ ہے
اب پھونک دیتے ہیں نفسِ شعلہ زن کے ساتھ

فتنے قدم قدم پہ ہوئے سایہ بنکے ساتھ
محشر لگا ہوا ہے تمہارے چلن کے ساتھ

ہے بند یہاں زبان بھی دلِ پُرحزن کے ساتھ
اچھی نبھیگی اُس صنمِ کم سخن کے ساتھ

بیخود ہوں ایک جلوۂ حیرت فگن کے ساتھ
بُت بنگیا ہوں اس بُتِ گل پیرہن کے ساتھ

جلتا ہوں تیری بزم میں ہم فن کو دیکھکر
ہے لاگ ہو گئی مجھے شمع لگن کے ساتھ

ترکِ وطن میں رُوح نہ قالب میں ٹھہری
پر باندھ کر رکھا ہے خیالِ وطن کے ساتھ

عادت بگڑ گئی ہے نہ سوئینگے قبر میں
برسوں لپٹ کے سوئے ہیں اک سیمتن کے ساتھ

ہر دم نزولِ آفتِ نو کا ہے انتظار
آنکھیں لگی ہیں سقفِ سپہرِ کہن کے ساتھ

یوں مجھ سے پاشکستہ کو غربت میں چھوڑنا
اے ہمطریق یاد بھی ہیں کچھ وطن کے ساتھ

کس طرح ماہ مصر نکلتے نہ چاہ سے
تھی اک کمند شوق بھی دلو و رسن کے ساتھ

کرتے ہیں مشق جامہ دری زندگی میں ہم
ہاں کچھ کھلینگے ہاتھ ہمارے کفن کے ساتھ

بل بے نزاکت اُسکی دمِ غصہ و غضب
کھنچتے ہیں آپ ابروے جادو شکن کے ساتھ

انور دمِ گذارشِ احوال ہائے ہائے
آئی ہے لب پہ جان نکلکر سخن کے ساتھ

کرتے ہیں زندگی شبِ غم میں قضا کے ساتھ
پاس رضاء یار ہے حکمِ خدا کے ساتھ

شوخی لگی رہے نگہ دلربا کے ساتھ
لیجاؤ جان بھی دل حسرت فزا کے ساتھ

دیدار کی طلب ہے گذر کر کلام سے
ہمت بڑھی کلیم کی لطفِ خدا کے ساتھ

آیا نہ رحم تجھ کو بھی اے چشم اشکبار
اُڑتی پھری ہے خاک ہماری صبا کے ساتھ

گویا کہ سب غلط ہیں مری بدگمانیاں
دیکھے تو کوئی شکل تمہاری حیا کے ساتھ

اے جانِ زار کچھ تو رہے پاس ہمدمی
لب تک تو آ وصال صنم کی دعا کے ساتھ

منہ اُٹھ گیا جدھر کو وہی ایک راہ ہے
کیا قطع کیجے راہِ طلب رہنما کے ساتھ

میری نظر میں آؤ تو کچھ نکلے مدعا
تم دل میں کیا رہے جو رہے مدعا کے ساتھ

عرضِ پیام وصل پہ خنجر اُٹھا لیا
اُنکا کھلا ہے ہاتھ ہماری خطا کے ساتھ

دِل کا عجیب حال ہے امید وصل میں
اِک دلکشا خوشی ہے غمِ جانگزا کے ساتھ

کیا کیا ہوئے ہیں درہم و برہم شب اہل بزم
کیا کیا اُٹھا ہے حشر عدو کو بٹھا کے ساتھ

پرسش سیاہ کاریٔ انور کی بھی وہاں
ہو گی شبِ فراق بھی روزِ جزا کے ساتھ

دشمن کے ناز اُٹھاتے ہیں اُنکی جفا کے ساتھ
آخر نبھانی ہے دلِ مُبتلا کے ساتھ

بدنامیاں مٹاتے ہیں عرضِ وفا کے ساتھ
چلتے ہیں نعش کُشتۂ جور و جفا کے ساتھ

کیونکر نبھائیے دلِ رشک آشنا کے ساتھ
مرتا ہے ایک ایک قتیلِ ادا کے ساتھ

ہر ہر قدم پہ بیٹھتا آتا ہے راہ میں
لایا ہوں کس کی بزم سے دل کو لگا کے ساتھ

بھولے ہیں کس خیال پہ زہاد و پارسا
رشتہ نہیں ہے داورِ روزِ جزا کے ساتھ

ہیں بیخودانِ یار خُدائی سے بیخبر
کیا جانیے معاملہ کیا ہے خُدا کے ساتھ

لیتے ہیں لمحہ لمحہ مرے دل میں چٹکیاں
شوخی وہ بات بات میں کچھ کچھ حیا کے ساتھ

ضد سے مری رہے وُہ مخالف سے متفق
سیدھے سدا چلے فلکِ کج ادا کے ساتھ

بیداد میں بھی لُطف کا دھوکا بنا رہا
دیتے ہیں مجھ کو زہر ملا کر دوا کے ساتھ

ہیں نقش دل میں غیر کی جادو بیانیاں
باتوں میں لے گیا انہیں گھر تک لگا کے ساتھ

بیٹھو نہ آ کے بزم میں بے شرم و بےحجاب
مجھ کو اُٹھا دو پردۂ شرم و حیا کے ساتھ

چلتا ہوں رہگذارِ طریقت میں بیخبر
گم کردہ راہ بھی ہوں تو ہوں رہنما کے ساتھ

کم التفاتیوں کا سبب کچھ نہیں مگر
بڑھتے ہیں اُنکے ناز مری التجا کے ساتھ

ملنے لگی ہے اپنی نظر سے تری نظر
تقدیر جا لڑی ہے ہماری قضا کے ساتھ

یہ سوچ ہے کہ ہو نہ تکلف وصال میں
اُلجھا ہُوا ہوں یار کے بندِ قبا کے ساتھ

ہنس ہنس کے قتل کرتے ہیں عاشق کو بیگناہ
ترک حجاب کرتے ہیں کیا کیا خوشی خوشی
پایا ہے میں نے حاصل سعی کلیم و خضر
ہے جوش دل میں یہ طلب وصل یار کا
گر ضعف و پائے شوق مددگار ہے تو ہم
رو رو دیا ہے حال مرا غیر دیکھ کر
ہر گام پر کہیں دل عاشق ہے سد راہ
اٹھتی ہے ایک بیٹھی کھٹک ساتھ سانس کے
کچھ ضبط کا خیال ہے کچھ چارہ گر کا پاس
کچھ بے حمیتی ہو تو بنتی ہے بات اب
ہر بار کیا ڈراتے ہو بیداد جور سے
مجھ سے زباں ملاتے ہو ایما غیر پر
جاتا ہے جو ادھر کو اسی سے بگاڑ ہے
شرمائے اور عدو کے نہ پہلو سے اٹھ سکے
دیوانگی کی حد بھی ہے اب کے بہار میں
ہیں واعظوں کے حد سے ارادے بڑھے ہوئے
کیسا ہنر میں تم نے چھپایا ہے عیب کو

ہے لطف بیمحل ستم ناروا کے ساتھ
مطلب جو غیر کا ہے ہر ے مدعا کے ساتھ
آتش ملی ہے طور کی آب بقا کے ساتھ
جان آگئی ہے میری لبوں پر دعا کے ساتھ
پہنچے ہوا سے پہلے وہاں یا ہوا کے ساتھ
کیا کیا خجل ہوئے ہیں وہ دشمن کو لا کے ساتھ
کتنے سنبھل کے چلتے ہیں ناز و ادا کے ساتھ
پہلو میں کون ہے دل حسرت فزا کے ساتھ
سہتا ہوں درد عشق کے صدمے دوا کے ساتھ
در تک تو آسکے آگئے بخت رسا کے ساتھ
اک آپ ہی سہی فلک فتنہ زا کے ساتھ
پیتا ہوں گھونٹ خون کے آب بقا کے ساتھ
ہم بھی الجھتے پھرتے ہیں چلتی ہوا کے ساتھ
تمکین نے اور حشر اٹھایا حیا کے ساتھ
بڑھتا جنوں ہے جنبش موج صبا کے ساتھ
توڑینگے توبہ اسکی طلسم حیا کے ساتھ
دل میں کدورتیں ہیں تو رخ کی حیا کے ساتھ

انور وہ قتل کرتے ہیں دیتا ہوں میں دعا
اِک ربط بھی ہے اپنے وفا کو جفا کے ساتھ

آنکھیں دکھائیں غیر کو میری خطا کے ساتھ
مطلب ادا وہ کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ

شوخی نگہ کے ساتھ تغافل جفا کے ساتھ
عشاق پر ہجوم بلا ہے بلا کے ساتھ

آخر ہوا نہ ضبط شب وصل مدعی
نالہ نکل گیا مری لب سے دُعا کے ساتھ

تیرے ستم سے مجھ کو ملا منصب کلیم
اِک وجہ گفتگو نکل آئی خدا کے ساتھ

تیرا حجاب اُٹھتے ہی آیا وہ ناگہاں
دشمن کے پاؤں کھل گئے بند قبا کے ساتھ

میں کیا کہ دشمنوں کی بھی قسمت اُلٹ گئی
ترچھی ادائیں اور تری بانکی ادا کے ساتھ

راہِ طلب میں شوق کی منظور ہے نمود
مٹتے قدم قدم پہ چلے رہنما کے ساتھ

یارب غلط ہو فہم کج اندیش کا گماں
کچھ کہہ رہا ہے اُن سے عدو التجا کے ساتھ

دیتے نہیں کسی کو پتہ اپنے حال کا
بیگانہ بنکے چلتے ہیں ہر آشنا کے ساتھ

مے بے طلب ملی تو ہوئی یار کی طلب
بندوں کے ناز بھی ہیں نرالے خدا کے ساتھ

جوش قلق میں دیکھیے کیا مانگتا ہوں میں
یاروں کے دم نکلتے ہیں میری دعا کے ساتھ

گھر سے مجھے نکالتے رہیے پر اس طرح
گہ مدعی کے ساتھ گہے مدعا کے ساتھ

کیوں شوق میں گرائیے ساتھ اپنے شانِ عشق
اغماض بھی ضرور ہے کچھ التجا کے ساتھ

کہتا ہوں یہ نصیب نہ دشمن کو ہو فراق
آمین وہ کہتے جاتے ہیں میری دعا کے ساتھ

لیلیٰ کا نام زندہ ہے اب تک جہان میں
تم بھی نباہ دو کسی اہل وفا کے ساتھ

پھرتے ہی اُسکی آنکھ کے دلبستہ تر ہُوا
میں دل کے ساتھ دل نگہِ فتنہ زا کے ساتھ

ہم عالمِ خیال میں کچھ بھی نہ خوش ہوئے
ہے رشکِ غیر یادِ لبِ جانفزا کے ساتھ

اب تو بڑا خیال تری رنجشوں کا ہے
محشر میں دیکھ لینگے خُدا کی خُدا کے ساتھ

کہتا ہے ڈر کے ہاتھ وفا سے اُٹھا لیا
دشمن کی بات بنگئی میری دُعا کے ساتھ

آتا ہے بُوے دوست میں کافر بسا ہُوا
قاصد بھی اِک رقیب ہے اپنا صبا کے ساتھ

کیا ڈھونڈھتے ہو دہر میں انور جمالِ دوست
چندے پھرو چلو کسی مردِ خُدا کے ساتھ

ہے تصور سے تری تصویر پشتِ آئینہ
بلکہ ہے ایک ماہ پر تنویر پشتِ آئینہ

دل سے یوں بھاگے مرے کھنچ جائے نہاں نقشہ ترا
ہے مگر اک نقش پر تسخیر پشتِ آئینہ

دل یہ روشن ہو نہیں کچھ اپنی قسمت میں فروغ
بنگئی گویا مری تقدیر پشتِ آئینہ

ہو گئی آئینہ رو یونکو دورُوئی کی دلیل
کیوں بنی اے مالکِ تقدیر پشتِ آئینہ

پڑتی ہے بیطور ہی اسکی نگہ سینہ تو کیا
توڑ دیگا دیکھنا یہ تیر پشتِ آئینہ

کیوں ہم آئینہ دلری دو ہوئے ہم اور وہ عکس
ہو گئی کیا ایک دم شمشیر پشتِ آئینہ

سامنے اُسکے یدِ بیضا متاعِ روئے دوست
ہاتھ پر ہے یہ وہاں توقیر پشتِ آئینہ

لاؤں دل میں بھی جو اُس آئینہ داری کا خیال
شرم سے ہو غنچہ تصویر پشتِ آئینہ

دیکھئے کیا پُشتِ آئینہ کہ تیرے عکس سے
رو تو ہے رو مہر پر تنویر پشتِ آئینہ

روئے آئینہ سے کیا ہے یہ حجابِ جانشین
پھونک دی اے آہ پر تاثیر پشتِ آئینہ

اس میں عکس رُخ ترا یہ ہاتھ تیری شرح نور
مصحف آئینہ اور تفسیر پشت آئینہ

بسکہ جو ہے روبرو تیرے کھٹکتا ہے مجھے
آنکھ میں لگتی ہے مثل تیر پشت آئینہ

سامنے افتادہ کیوں رہتا ہے پر غم میں ترے
لگ گئی بستر سے اے بے پیر پشت آئینہ

ہو نہ عکس افگن جو رُخ تیرا تو یہ بے نور ہو
اُس سے بھاگے ڈھکے سو تیر پشت آئینہ

تکیہ اسکا ہے سر زانوئے نازک ہائے ہائے
ہو گئی حق میں مرے شمشیر پشت آئینہ

بے صفا ہے اسلئے اَنور یہ ہے ناکام دید
کر چکی ہے ورنہ کیا تقصیر پشت آئینہ

ہے کف روشن تری جاگیر پشت آئینہ
اے خوشا قسمت زہے تقدیر پشت آئینہ

بے صفا از بسکہ تھی تقدیر پشت آئینہ
کچھ نہ صیقلگر نے کی تدبیر پشت آئینہ

نقش جو اُسکا ہوا تصویر پشت آئینہ
رُوح اسکندر ہوئی نخچیر پشت آئینہ

ہے نشے زانو سے پیوستہ اور اس فکر میں
ہو گئی ہے پائے دل زنجیر پشت آئینہ

شرم سے ہے پیش روئے یار یہ بے آب و تاب
رُوئے آئینہ ہوا تصویر پشت آئینہ

ہے صفائی رو پہ بسمل دیکھکر رو کی صفا
صیقل رو کا الف ہے تیر پشت آئینہ

عکس اُفگن ہو اگر وُہ نرگس جادو طراز
مُنہ سے بولے غنچہ تصویر پشت آئینہ

رُوئے آئینہ گریباں گیر عکس رُوئے یار
دست رشک اپنا ہے دامنگیر پشت آئینہ

اصل میں ہے راست تو بھی دیکھتے میں اُسکو چپ
ہے مری تحریر وہاں تحریر پشت آئینہ

روئے آئینہ ضیا سے ہے تو نگار و شناس
روئے اسکندر کو اب تقدیر پشت آئینہ

ہے پس آئینہ جو اللہ اکبر وہاں رقم
میں ہوں کُشتہ اور یہ تکبیر پشت آئینہ

متصل زانو سے یہ اور وہ تیرے رُخ سے جدا
ہے فزوں رُخ سے کہیں توقیر پشت آئینہ

دید سے محروم اور شاکی نہ ہو ممکن نہیں
پر کوئی سُنتا نہیں تقریر پشت آئینہ

دیکھ ہی سکتا نہیں اپنے سوا شکل مثال
روئے دل میں ہے ترے تاثیر پشت آئینہ

مُفت اے صیاد ہے ٹٹی کی اوجھل یہ شکار
ہے جو یہ تصویر میں نخچیر پشت آئینہ

ہے جو اسکی آئینہ داری کی حسرت نقش دل
تیز ہے عشاق پر شمشیر پشت آئینہ

تجھ سے نسبت شمع روشن کی یہ ہے بے ربط محض
جیسے بہر شمع ہو گلگیر پشت آئینہ

خنجر عکس مژہ وہاں روئے آئینہ پہ تیز
اور ادھر مشاطہ پر شمشیر پشت آئینہ

اُسکی صورت کیا کھنچی اسپر کہ اک عالم کھچی
جسنے دیکھا ہو گیا تصویر پشت آئینہ

خوردہ جوئی روئے آئینہ کف روشن تری
اور پُشت دست آہو گیر پشت آئینہ

ناز ہمدوشی سے اُس نقشہ کی اُڑ جانیکو تھے
پر ہوئی اُلفت تری زنجیر پشت آئینہ

مثل ہو دو دام نگاہ یار آخر ہو گئی
تھی یہ رنگیں پیکری تزویر پشت آئینہ

بستر زخمی نہ بنجائے کف رنگیں تری
تیری ہر انگشت ہے شمشیر پشت آئینہ

روئے آئینہ نہیں پر ہے جو زانو پہ تیرے
ہے فروزاں اختر تقدیر پشت آئینہ

مجھ کو آئینہ دکھاتے ہیں ہم عرض وصال
جُرم ہے میرے ہوئی توقیر پشت آئینہ

کسر شان میری ہے اُسکے سامنے یُوں جیسے ہو
پیش روئے آئینہ تحقیر پشت آئینہ

اک جہان بیقراری کھینچ لے سیماب کیا
جذب دل ہو گر مرا تسخیر پشت آئینہ

کیوں صفا پائے کہ استعداد کامل ہی نہیں
ہیں یہ سب ناکامیاں تقصیر پشت آئینہ

خوب رو کا عکس دیتا بانہ کو ہنگام بزم
سچ تو یہ ہے بن پڑی تدبیر پشت آئینہ

اپنا سینہ دیکھئے اور اپنے دل کو دیکھئے
جب زباں سے کیجئے تحقیر پشت آئینہ

یہ مقابل ہے تو یہ بھی سد راہ عکس ہے
کچھ خطائے رو ہے کچھ تقصیر پشت آئینہ

آپ ہی سے قتل ہو جاتے ہیں ہم اسکے عوض
خود ادا کرتے ہیں ہم تکبیر پشت آئینہ

انور اس روشن بیانی سے تجلی ہے خجل
دیکھتے ہو عالم تقریر پشت آئینہ

لذت قتل جو حاصل ہوئی شمشیر کے ساتھ
حوصلے جرم کے بڑھتے گئے تعذیر کے ساتھ

وہ جفا کار مزاج اپنا ہے کیا کچھ نازک
نہ نبھیگی نہ نبھیگی فلک پیر کے ساتھ

ابتو زندان ہیں فلک پر ہوں کہ دم کش بابا
دیکھئے نالہ سرائی مری زنجیر کے ساتھ

رات آئی ہے بہت نیند بھی آئی ہوگی
سو رہو آج اسی عاشق دلگیر کے ساتھ

کچھ جو عزت ہے تو پھر کوچے میں اسکی ہے کہ تو
دو قدم آنکے لیجاتی ہے توقیر کے ساتھ

بزم اپنی ہے کوئی دار حکومت تو نہیں
شمع کیوں آئی ہے پروانہ دلگیر کے ساتھ

مائل ابرو و مژگاں ہیں نہ پوچھ اے ہمدم
زندگی کاٹتے ہیں خنجر و شمشیر کے ساتھ

اصل ہی اسکی نہ ہوتی تو خیال دشمن
منزل دل میں نہ رہتا تری تصویر کے ساتھ

ناتوانوں کی اسیری بھی تو کتنے دم کی
اب اڑے اب اڑے ہم نالۂ زنجیر کے ساتھ

وہ نزاکت میں جو یکتا ہیں تو ہم ضعف میں فرد
اپنی تصویر بھی ہو یار کی تصویر کے ساتھ

ہائے صیّاد نے سمجھی ہی نہیں لذّتِ قتل
وہ نہ خود لوٹتا پھرتا کسی نخچیر کے ساتھ

بات کس طرح وہاں منہ سے نکالوں انور
اشک آنکھوں سے نکل آتے ہیں تقریر کے ساتھ

ردیف یائے

اُلفت انجام میں راحت ہی سہی
عُمر بھر یہاں تو مصیبت ہی سہی

مرگ انجام محبّت ہی سہی
عشق مر جانے کی جرأت ہی سہی

میں یہ خوش ہوں کہ علاقہ کچھ ہے
مجھ سے گو دِل میں کدورت ہی سہی

ہے جو منظور تغافل میں کمال
تو تغافل میں بھی غفلت ہی سہی

ڈر قیامت کا بہت ہے واعظ
وُہ ہماری شبِ فرقت ہی سہی

کچھ تو دیگی مجھے صبح شبِ وصل
موت آنے کی بشارت ہی سہی

آپ کرتے ہیں اگر مشقِ ستم
میں سزاوارِ عقوبت ہی سہی

اپنے وعدے سے ہے پھرنا کیسا
ہے نزاکت تو نزاکت ہی سہی

میں نہ جاؤنگا عدو کے ہوتے
کُوچۂ یار میں جنت ہی سہی

میرے گھر آئے کوئی شانِ خدا
یہ تو مانا کہ وُہ آفت ہی سہی

پھینکئے کیوں مئے ناقص ساقی
شیخ صاحب کی ضیافت ہی سہی

ایک روشن تو رہا دِل میں چراغ
داغ ناکامی و حسرت ہی سہی

تیغ کا وار ہے اوچھا اوچھا
نگہ ناز کی شرکت ہی سہی

خانۂ دل کو نچھوڑو خالی
میری جانب سے کدورت ہی سہی

اور کیا مانگئے تجھ سے اے چرخ
کوچۂ یار میں رحلت ہی سہی

اُف رے یہ کچھ غضب او شعلہ مزاج
خیر طینت میں شرارت ہی سہی

انور اُس بزم میں جانا کیا تھا
اب جو ذلت ہے تو ذلت ہی سہی

واعظ اب ترکِ نصیحت ہی سہی
ہے عنائت تو عنائت ہی سہی

اُنکے یہاں آنے کی حکمت ہی سہی
اپنے مرجانے کی شہرت ہی سہی

آؤ ملجاؤ یہ جھگڑا کیا ہے
تم کو اغیار سے نفرت ہی سہی

شبِ فرقت کا بسر کرنا ہے
طولِ گیسو کی حکائت ہی سہی

خاک ہونے کی یہاں ہے تدبیر
دل میں وہاں دخل کدورت ہی سہی

نہیں بیکار غمِ ترکِ وطن
ایک رفیقِ رہ غربت ہی سہی

باندھ دو سلسلۂ گیسو سے
خیر اچھا مجھے وحشت ہی سہی

صبر سے ہے دل و سینہ لبریز
نگہ یار کی دعوت ہی سہی

آؤ زاہد کو بنائیں کچھ کچھ
بیٹھے بیٹھے کوئی صنعت ہی سہی

فال بد بھی نہ کہوں گا منہ سے
گو تمہیں مجھ سے عداوت ہی سہی

کچھ تو ملجائے لبِ شیریں سے
زہر کھانے کی اجازت ہی سہی

توڑتے ہیں دل عاشق کیونکر
گو سراپا وہ نزاکت ہی سہی

کوئی ہنگامہ تو ہو بایں پر
تو نہیں شور قیامت ہی سہی

آؤ بازار میں چرچے تو سنو
غیر سے محفل خلوت ہی سہی

وہ تو کب آئے یہاں پر یہ خیال
دل کے بہلانے کی حکمت ہی سہی

ہائے کافر تری بے پروائی
ہے شکایت تو شکایت ہی سہی

مجھ کو اور بادہ کشی سے نسبت
مگر ایک شیخ سے حجت ہی سہی

دل میں یہاں آ کے نکلنا کیسا
اے وہ ارمان شہادت ہی سہی

ایسے مجبور ہوئے کیوں انور
جان کھو دینے کی قدرت ہی سہی

ہے بھی اور پھر نظر نہیں آتی
دھیان میں وہ کمر نہیں آتی

مانگتا ہوں مگر نہیں آتی
یہ اجل وقت پر نہیں آتی

تیرے کشتوں کا روز حشر حساب
غیرت او فتنہ گر نہیں آتی

طبع اپنی بھی ایک آندھی ہے
خاک اڑانی مگر نہیں آتی

ابر کس کس طرح برستا ہے
شرم اے چشم تر نہیں آتی

تم تو یوں محو ظلم ہو کہ ہمیں
آہ کرنی مگر نہیں آتی

نذر کچھ کر کے دل کو لے کہ یہ جنس
مفت اے مفت بر نہیں آتی

مختصر حال درد دل یہ ہے
موت اے چارہ گر نہیں آتی

یارب آباد کوئے یار رہے — کہ قیامت اُدھر نہیں آتی

نیند کا کام گرچہ آنا ہے — میری آنکھوں میں پر نہیں آتی

بے طرح پڑتی ہے نظر اُن کی — خیر دل کی نظر نہیں آتی

بے پری نے اُڑا رکھا ہے مجھے — حسرت بال و پر نہیں آتی

سب کچھ آتا ہے تو نہیں آتا — گر وفا سیمبر نہیں آتی

اپنی اس آرزو کو کیا کوسوں — آب وہاں تیغ پر نہیں آتی

جان دینی تو ہم کو آتی ہے — دل کو تسکین اگر نہیں آتی

غیر کچھ مانگتا ہے دیکھیں تو — ہے تمہیں کس قدر نہیں آتی

دل کی اپنے جگر پہ یوں لیکن — ایک کی ایک پر نہیں آتی

دشمن اور اک نگہ میں لوٹ بچائے — چوٹ پوری مگر نہیں آتی

تیرا کوچہ ہے مصر نظارہ — کر پلٹ کر نظر نہیں آتی

اُنکا آنا تو ایک آنا ہے — موت بھی وقت پر نہیں آتی

انور اس شب کی دیکھ لو تاخیر — صبح ہوتی نظر نہیں آتی

ماجرا دار و رسن کا خلق میں مشہور ہے — اب کسے تقلید خوش گفتاری منصور ہے

خلق سے عاجز ترا استغنے و مغرور ہے — جو ترے نزدیک ہے نزدیک اپنے دور ہے

برگ برگ سبزہ قدرت سے تری معمور ہے — جس زباں پر دیکھتا ہوں نغمۂ منصور ہے

اور کچھ دُنیا سے کھچ جا اور بڑھ جائے سوحق
تیر جتنا کھچ گیا پلّہ میں اُتنا دُور ہے

اور کیا ہوگی شہیدانِ محبت کی دیت
بس تڑپنا لوٹنا مقبول ہے منظور ہے

گو وہ وادی پر نہیں کچھ حصر طالب شرط ہے
ہر قدم پر دشتِ ایمن ہر قدم پر طور ہے

اپنی مہجوری پہ کیا حسرت ہے قربِ غیر کی
اُنسے کتنا پاس ہے جو مجھسے اتنی دُور ہے

نیک ہوں یا بد ہوں تمھارا ہوں تمھیں کو پاس ہے
تم نے لکھا ہے مری قسمت میں جو مسطور ہے

ڈر ہے دو ہو جائیگا رہرو سبک رو چاہیے
جادۂ صحرائے توحید اک دمِ ساطور ہے

ایک مخفی سی ادا ہے آپ کی دونوں طرف
وُہ حکایت حضرتِ یوسف کی جو مشہور ہے

اسقدر عشقِ مجاز و عشقِ حق میں فرق ہے
اک چراغِ دَیر ہے اور ایک شمع طور ہے

ہو مجازی یا حقیقی حسن کی ہے روشنی
وہ چراغِ بتکدہ ہے اور یہ شمعِ طور ہے

سوز کافر خوئے بدگو دفع دونوں کا محال
وُہ جگر میں داغ ہے اور دل میں یہ ناسور ہے

ہے ادا و نازِ لیلیٰ اور سراپا عجزِ قیس
یہ بھی تیری شان ہے اور وہ بھی تیرا نور ہے

ہوں وہ عاصی جو گنہ میرے نوشتہ میں نہ ہو
وُہ بھی شائد نامۂ اعمال میں مسطور ہے

گر بہت اُبھرا تو زاہد عیشِ عقبیٰ پر گرا
سعیِ بیغائت گرفتارِ زلفِ حور ہے

ربط بڑھ جائے تو حُسن عشق کی ہے شان ایک
جو نفس ہے سینۂ عاشق میں شمعِ طور ہے

جو مرا محبوب ہے وہ ہی مرا مطلوب ہے
جو مجھے منظور ہے وُہ ہی تجھے منظور ہے

عشق ہے اپنے سے جب اپنے سے پھر کیا رنگ گیا
طالب و مطلوب کیا خود ناظر و منظور ہے

نور و ظلمت اوج و پستی مسلکِ عرفان ہیں
یہاں سے نکلے چاہِ بابل وہاں سے اُبھری طور ہے

کاتبِ اعمال جو چاہیں لکھیں کچھ غم نہیں
ہے نظر اُس پر کہ جس سے قہر کوسوں دُور ہے

وُہ گناہ کرتا ہوں اب جی کھولکر جو رہ گئے
جانتا ہوں خیر مجھ سے قہر تجھ سے دُور ہے

بادشاہی مال کچھ ہوتی تو کہتے فی المثال
تیرے دروازہ کا سائل قیصر و فغفور ہے

آپ ہی کو پالیا زاہد نے تو سب کچھ ملا
کہیئے کس منہ سے کہ اتنی سعی نامشکور ہے

لوٹنا کیا ہم نوایاں سفر کی یاد میں
خیر ہے انور یہ کچھ دلّی نہیں جےپور ہے

حُسنِ دل آویز و عشقِ پاک کا مذکور ہے
سلسلہ اپنے سخن کا تارِ زلفِ حور ہے

مہر میں کسکا فروغ اور مہ میں کسکا نور ہے
کچھ چھپانا کچھ جتانا راز کا منظور ہے

حُسن ہیں سو جلوہ ہر جلوہ میں اُسکا نور ہے
اِسقدر پیدائیوں پر کسقدر مستور ہے

آپ جس جا ہیں پہنچنا واں نظر سے دُور ہے
اڑکے جانا طائرِ بے بال و پر سے دور ہے

سامنے ہے جلوہ اور کوسوں نظر سے دور ہے
تم کو پانا کس قدر فہمِ بشر سے دُور ہے

منزلوں مجھ سے جُدا کوسوں نظر سے دور ہے
راہ اپنی دُور ہے اور دُور تر سے دُور ہے

کیا نہو لذّتِ دردِ جگر منظور ہے
جو حریصِ عشق ہے دلشاد ہے مسرور ہے

دل میں ہے دل کو مگر پانا نظر سے دور ہے
کسقدر منزل رہِ نزدیکتر سے دُور ہے

راہ وُہ چلتا ہوں میں جو راہبر سے دور ہے
رہروی اپنی رہ و رسمِ سفر سے دُور ہے

بے طلب دلمیں وہ اور حدِ بشر سے دُور ہے
پاس سے بھی پاس ہے وہ دُور تر سے دور ہے

عقل وُہ ہے جو کسی راہِ طلب میں گم ہوئی
فہم وہ ہے جو کسی ادراک میں معذور ہے

جو اُٹھا پردہ نظر سے وہاں حجاب ہو گیا
جتنی یہاں آنکھیں کھلیں اتنا ہی وہ مستور ہے

ہے لطافت خیز ذوق مائل حسنِ عفیف
آہ سینہ میں مرے تارِ نگاہِ حور ہے

یوں دکھاتا ہے تماشا وہ اُمید و یاس کا
میرے دل کے پاس ہے میری نظر سے دور ہے

پلٹے بندانِ محبت پر زباں کھولی تو کیا
آپ ہی زاہد اسیرِ نازِ زلفِ حور ہے

رند و زاہد دونوں اصلِ عشق سے بے لطف ہیں
یہ شہیدِ ہوشاں ہے وہ قتیلِ حور ہے

عشق واجب ہو گیا روئے تجلی خیز کا
دلستانی پردہ پردہ میں انہیں منظور ہے

بات بہکی بہکی آتی ہے لبِ میخوار پر
حال کچھ وہ ہے کہ لب گویا نہیں معذور ہے

مدعا یہ ہے عبادت سے کہ ملجائے بہشت
زاہدِ سالوس گر زاہد نہیں مزدور ہے

مجھ سے اور بے طاعتی کی پرسش کچھ بات ہے
جانتے ہو تم کہ جو حالِ دلِ رنجور ہے

ہو فنا پر منحصر دیدار اور جیتا رہے
واقعی عاشق مگر ناچار ہے مجبور ہے

حسن ہے دھوکہ ہی دھوکہ ورنہ یہ سلمائے دہر
سر سے پا تک صورتِ مکر و فریب و زور ہے

ہر ادا میں اہلِ دل پاتے ہیں لطفِ مرگ و زیست
جو صریرِ کلک ہے آہنگِ نفخِ صور ہے

طور پر غش ہیں یا تو دم دیتے ہیں شمعِ دیر پر
عاشقوں کو کب سرِ تمیزِ نار و نور ہے

مصلحت ہے کچھ کہ کچھ کھلتے نہیں اربابِ ذوق
ورنہ اس حلقہ میں اک اک اہلِ دل منصور ہے

سنگ کاوی تیشہ رانی اور امیدِ وصلِ یار
کوہکن عاشق نہیں اک بیخبر مزدور ہے

دار پر کھنچنا مگر معراج ہے عشاق کی
کس بلندی پر فروزاں اخترِ منصور ہے

وہ بھی کچھ ہے باخبر جو ہے ادھر سے بیخبر
یہاں ہے وہ ہشیار جو وہاں سے نشے میں چور ہے

کچھ نہیں سنتے کسی سے ہم کہ ہے وہاں تنگ گیا
چند ساعت میں جو انکی مستی کا رنگ
چشم بینا دی ہے اور بخشا لب گویا نہیں
اور ہے کچھ روئے آتشناک خوباں وقت خشم
قہر ہے دل کی نہ کھنی غیرت تقلید سے
تجھ کو پانا تجھ سے کتنا سہل اور کیسا قریب
سامنے ہے اور حقیقت سے تصور بیخبر
انکو آتی ہے مرے اس عجز پیہم پر حیا

کیا زبان بندی تمہاری بزم کا دستور ہے
یہ شب عشرت ہے وہ جو صبح تک کافور ہے
سیر ضبط درد عاشق کی انہیں منظور ہے
دیکھنا اس نار کے پردے میں کیسا نور ہے
ہر شہید خامشی فریادیٔ منصور ہے
مجھ کو تیرا ڈھونڈ لینا مجھ سے کیا کچھ دور ہے
وہ نظر میں ہے مری اور میرے دل سے دور ہے
کس قدر دلجوئیِ مجرم انہیں منظور ہے

اس مقام لاتعین پر وصول انور کہاں
آگے منزل پر جہاں سنئے کہ دلی دور ہے

تیرے جلوے دم خلوت جو نمودار ہوئے
دل نہ اٹھتا ہے جہاں سے یہ اٹھیں دیسے خیال
یہ تو محسوب نہ ہونگے کہ سیہ کاری سے
صلح کل مشرب و مذہب ہے تو کیا دشمن دوست
عمر دو روز کی اچھی کہ بقائے جاوید
کچھ سمجھے ہیں ترے طالب دیدار کا درد
صبر بنکر جو کرشمہ دل عاشق میں رہے

حیرت آگئیں مرے گھر کے در و دیوار ہوئے
مجھ سے مجرم کی طرح یہ بھی گرانبار ہوئے
جو مری عمر کے ایام شب تار ہوئے
دل میں وہ پھول ہوئے آنکھ میں جو خار ہوئے
ہے یہ حسرت کہ نہ کیوں مرگ پہ مختار ہوئے
جو کسی نرگس بیمار کے بیمار ہوئے
تمکنت ہو کے کہیں گرمیٔ بازار ہوئے

مرضیِ دوست سے ناچار ہیں ورنہ مہجور
بارہا درد سے مرجانے پہ تیار ہوئے

تیرہ کاری سے نہ دیکھا ہی کبھی روئے سفید
عمر کے روز بھی کیا اپنے شب تار ہوئے

ناز معشوق نے پایا ہے تو عاشق نے نیاز
جو ہوئے کار پہ مصلحت کار ہوئے

ہو مجازی کہ حقیقی مگر اس الفت میں
ایک گر یار ہوا سینکڑوں اغیار ہوئے

ہے نظر اور کہیں گر گئے نظروں سے حسیں
پھول جو آنکھ میں تھے دل میں وہ اب خار ہوئے

طاعتِ زاہد سالوس پہ ٹھہری جو نگاہ
تار جو سبحہ میں تھے رشتۂ زنار ہوئے

درد میں تا ہو زباں زمزمہ سنج یارب
تیرے دلباختہ اس شوق میں بیمار ہوئے

کبھی طاعتِ حق یاد بھی ہے کچھ انور
کیا دم صبح ازل آپ سے اقرار ہوئے

جیتے رہے تو خاک ترے ناتواں رہے
اپنے بھی دل پہ غم کی طرح سے گراں رہے

وہ مہرباں ہوئے بھی تو ہم بدگماں رہے
ہم سے کوئی چھپے تو بتاؤ کہاں رہے

مہماں رہے وہ غیر کے ہاں میزباں رہے
آئیں مری نظر میں اب ایسے کہاں رہے

دیکھا جو پاس وضع سے کچھ مجھ کو بند بند
کیا کیا وہ چھیڑنے کو مرے سرگراں رہے

آنکھیں بچھا رکھی ہیں ہر اک جائے شوق پر
میں میزباں رہا ہوں وہ مہماں جہاں رہے

کچھ ہم رکے رکے رہے کچھ وہ کھچے کھچے
ارمان جی کے جی ہی میں کیا کیا یہاں رہے

کمبخت کوئی دم تو رہیگا نظر سے دور
خوش ہوں جو انکے در پہ عدو پاسباں رہے

مٹی خراب ہے ترے کوچہ میں ورنہ ہم
اب تک تو جس زمیں پہ رہے آسماں رہے

سر پھوڑنے لگے ہیں اسی طرح ہر اہیں
لائی بھی موت کھینچ کے جاتی ہیں تو کہ جا ہیں
شوخی کی چھیڑ ہا ہیں وفا میں رہے کہ تو

اب کس ہوا پہ دیکھئے وہ آشیاں رہے
اب تیرے آستاں پہ تیرے ناتواں رہے
بیٹھے عدو کے سوگ میں اور شادماں رہے

کن حسرتوں سے خاک ہوا ہوں یقین ہے
انور مرا غبار صبا پر گراں رہے

وہ مجھکو بلاتے ہیں پھر آنے نہیں دیتے
الفت کا تیری درد جتانے نہیں دیتے
دل قید تعلق سے چھڑانے نہیں دیتے
یہاں اپنے سوا کوئی ہو آنے نہیں دیتے
بیتابیٔ دل ہاتھ سے جانے نہیں دیتے
دل ہی کو بھلاتے ہیں تیری یاد میں ہم لوگ
مرتے ہیں تڑپتے ہیں تیری یاد میں ہر دم
بیزار ہیں اور ہاتھ نہیں مجھ سے اُٹھاتے
کعبہ میں گئے دیر سے کعبہ سے کہیں اور
کہتے ہیں دل اور جان کوئی دے تو غضب ہیں
ہر شوخ کو تمکیں سے بٹھایا ہے کچھ ایسا
اک موت ہے اسکو بھی تو ہاتھ اپنے ہی رکھا

منہ دیکھنے والوں کو دکھانے نہیں دیتے
غیروں کو ذرا ذوق اُٹھانے نہیں دیتے
مجھ کو وہ مرے ہاتھ سے جانے نہیں دیتے
آنکھوں میں وہ عالم کو سمانے نہیں دیتے
آرام سے پہلو میں بھی آنے نہیں دیتے
اور دل کو تری یاد بھلانے نہیں دیتے
بیکار کسی دم کو بھی جانے نہیں دیتے
سر مجھ کو قدم پر سے اُٹھانے نہیں دیتے
عاشق کو کہیں پانوں ٹکانے نہیں دیتے
دیتے ہیں غم اور زہر بھی کھانے نہیں دیتے
سر فتنۂ عالم کو اُٹھانے نہیں دیتے
حسرت کوئی عاشق کی بر آنے نہیں دیتے

بیہیر سا پرہیز ہے عشاق سے اُنکو
نقش قدم آنکھوں سے لگانے نہیں دیتے

آتے ہیں جو دل میں تو سمجھتا ہوں کہ میں ہوں
اندیشۂ ہستی بھی مٹانے نہیں دیتے

ملنے کی بھی اُمید نہ ملنے کی بھی ہے اُس
دِل میں وہ کوئی رنگ جمانے نہیں دیتے

کچھ شان بڑھاتی ہے قتیلانِ وفا کی
مقتل سے وہ لاشے بھی اُٹھانے نہیں دیتے

ہے دھیان کہ طوفان نہ اُٹھائے کوئی مرکر
جینے سے بھی وہ ہاتھ اُٹھانے نہیں دیتے

منظور نہیں در پہ مرے ناصیہ سائی
تقدیر کی تحریر مٹانے نہیں دیتے

ہیں بزم نشیں اُنکے نہ بیہوش نہ ہشیار
آنے نہیں دیتے کہیں جانے نہیں دیتے

کیا جلوۂ پُرتاب دکھایا ہے کہ دیکھو
تسکین وہ کسی شکل سے آنے نہیں دیتے

منظور نہیں اہلِ طلب چین سے بیٹھیں
وہ ہاتھ جہاں سے بھی اُٹھانے نہیں دیتے

وہ حسن کے انوار وہ انوار کے اظہار
کچھ بات ہے ایسی کہ چھپانے نہیں دیتے

کہتے ہیں سدا سوزِ محبت کے فسانے
اس آگ کو سینہ میں دبانے نہیں دیتے

ہر دل میں گرہ ہے صفتِ عقدۂ مطلب
وہ راز کہ جو دل میں چھپانے نہیں دیتے

انجام کی ہے فکر تو ناکام جہاں ہوں
یاروں سے مجھے ربط بڑھانے نہیں دیتے

اِک ایک نواسنج چمن کا ہے فسانہ
وہ حرف کہ لب تک جسے آنے نہیں دیتے

آجائے اُسے رحم مگر یار حسد سے
کچھ حال غم و درد سنانے نہیں دیتے

راہیں تو بہت دُور کی معلوم ہیں لیکن
مجھ کو مرے وسواس بتانے نہیں دیتے

ہوں تذکرۂ عشق نہ آشفتگیٔ دل
کیا ہے کہ مجھے بزم میں آنے نہیں دیتے

سنتے ہیں وہ اور درد کی میرے نہیں سنتے
کہتے ہیں وہ اور دل کی سنانے نہیں دیتے

بیزار ہیں اور پھر مجھے آنکھوں سے گرا کر
ہر جا سر تسلیم جھکانے نہیں دیتے

دیدار کہاں کا کہ دکھا کر کوئی پرتو
پہروں بھی تو پھر ہوش میں آنے نہیں دیتے

یہاں دیکھ لو جو طور پہ گذرے ہیں تماشے
جلوہ کو مگر آگ لگانے نہیں دیتے

حُسن نظر افروز کے یہ حسن یہ دعوے
عاشق کو کبھی پاس بٹھانے نہیں دیتے

ہے شیفتہ اپنا تو سمجھ کر اُسے اپنا
دِل کو بھی مجھے ہاتھ لگانے نہیں دیتے

عشاق ہیں اور داغ تمنا مگر انور
کچھ یاد وہ اپنی سے بھُلانے نہیں دیتے

جو بُت رشک تجلی ہیں یہ ہیں تصویر مٹی کی
اسی مٹی نے تاب مہر پُر تنویر مٹی کی

سنبھالی دوش پر اُس طفل نے شمشیر مٹی کی
خلائق حشر کو ہو ویگی دامنگیر مٹی کی

پسند آئی یہ حق کو عجز کی تقریر مٹی کی
کہ مسجود ملائک بن گئی تصویر مٹی کی

فقط انداز قاتل ہے یہ دم تیغ دو دم کیسا
بتوں کے ہاتھ میں تو ہو فدا شمشیر مٹی کی

نگہ اُونچی کرو دیکھو فلک کیا خوب تو وہ ہے
جھکا کر چشم کیوں آماجگاہ تیر مٹی کی

پٹک دینا نظر سے بس سزا ہے خاکساروں کی
ذرا دامن سے جھٹکا ہو گئی تعذیر مٹی کی

سبک رُوحوں کو بھی یہ کھینچتی ہے اپنی جانب کو
بگولے سے ہے پائے باد میں زنجیر مٹی کی

وہ ہوں ناکام دیدار بتاں گر دیکھنا چاہو
یقیں ہے صاف منہ کو پھیر لے تصویر مٹی کی

ہوئے ہم خاک تا پہنچیں ترے در تک اسی ڈھب سے
یہ تھا اپنا مقدر آ گئے اب تقدیر مٹی کی

جو دیکھی وسعت میداں تو یہ بسمل تڑپا
کہ خوں سے قتلگہ کے سرخ سو تو نیر مٹی کی

الٰہی آبداری خنجر قاتل کی چل جائے
کہ دم میں کیسی کیسی حسرت نخچیر مٹی کی

کرے برباد کیا باد حوادث خاکساروں کو
صبا کے دوش پر توقیر ہے تشہیر مٹی کی

بنے تھے ہم صفا اور وہ کدورت اس تمنا میں
وہ دل میں اس کے پہنچے بن پڑی تدبیر مٹی کی

ہمیں اس کوچہ میں جانا عروج آسمانی تھا
موئے ہم یہاں یہ دیکھو جذب کی تاثیر مٹی کی

وہاں جانمیں از خود رفتگی کا اک وسیلہ تھا
قضا نے مجھ کو مٹی کر کے یہ تدبیر مٹی کی

وصال اس بت سے ٹھہرا تھا کہ دامن گور نے کھینچا
ہماری حسرتیں ہووینگی دامنگیر مٹی کی

مجھے یا لیتنی کنت ترابًا یاد آتا ہے
دم جولان توسن یوں بڑھی توقیر مٹی کی

ہوئے جس راہ میں ہم خاک تم اس رہ نہیں چلتے
غضب ہے آرزوئے خاک دامنگیر مٹی کی

بگولہ بنکے چکر میں ہے یہ بھی میں بھی گردش میں
میری تقدیر میں کیا مل گئی تقدیر مٹی کی

اسے دھونے گئے پتھر کو ہاں کن نے بے ستوں پایا
اڑانی خاک تھی ہمکو ملی جاگیر مٹی کی

ہمارا ہاتھ بھی ہے پھر گریباں تک رسائی کو
لپٹنے سے جو دامن کے نہیں تقصیر مٹی کی

پس مردن نہ دی مٹی بھی آ کر قبر تک اس نے
مگر مٹی ہماری اور بے تقصیر مٹی کی

یہ حسرت ہے کہ دوش باد پر ہو کوچہ بربادی
اسے کرتی ہے مٹی حسرت توقیر مٹی کی

جہان چشم کیونکر لٹکے پا انداز کو لاؤں
چلیں وہ یوں نہیں پر اے خوشا تقدیر مٹی کی

سحر ہم قبر میں سوئے جو شب ہم خواب تھے اس سے
مگر کیا ہم نے اپنی خواب کی تعبیر مٹی کی

کفن یہاں سر سے باندھا ہے اودھر تیغ اس نے کھینچی ہے
مگر ہاں کچھ کشش کر جائے گر تقدیر مٹی کی

جو ملتے خاک میں وہ زندۂ جاوید رہتے ہیں	مگر تاثیر آب خضر ہے تاثیر مٹی کی
یہ چپکے چپکے آنا اور بچ بچکر نکل جانا	خبر بھی ہے کسی عاشق کی دامنگیر مٹی کی

نہ مل انور بتوں سے ہم نہ کہتے تھے
نہ آخر تو نے اپنی عزت و توقیر مٹی کی

حنا دست نگاریں میں کسی کے کوئی ملتا ہے	کوئی اندر ہی اندر سینہ کے دل کو مسلتا ہے
سوال بوسہ پر وہاں میان سے خنجر نکلتا ہے	زباں چلتی ہے گر اپنی تو انکا ہاتھ چلتا ہے
سخن کیسا ہی ناہموار ہو موزوں نکلتا ہے	مگر اُسکے دہان تنگ کے سانچے میں ڈھلتا ہے
معاذاللہ تیرے اس عارض شفاف کا عالم	اٹکتا ہے دل اپنا شیخ کا ایمان پھسلتا ہے
عدو بیٹھا ہے در پر تیرے نقش کالحجر ہو کر	زمیں پکڑی ہے دانتوں سے کہاں اپنی جا سے ٹلتا ہے
تماشا دیکھنے والوں میں ہیں گھر پھونکر ہم بھی	بلا سے ساز و برگ جان و دل سینہ میں جلتا ہے
شب وصل اُس نے چوسر رکھی اور کشتی ہی ہمنے	ہم اپنا رنگ چلتے ہیں وہ اپنی چال چلتا ہے
تڑپ بھی تیغ کی کچھ ساتھ ہی دل میں اتر آئی	کہ میرے زخم دل کا دمبدم پھاہا پھسلتا ہے
قیامت سر پہ گذرے حشر ہو طوفان ہو کچھ ہو	قدم جس جائے اپنا جم گیا پھر وہاں سے ٹلتا ہے
ہوا کے ہاتھ ہے اس ناتواں کی اب خبر گیری	کوئی جھونکا صبا کا آنکر کروٹ بدلتا ہے
یہ کچھ نازک ہوا ہے صدمہ سہتے سہتے دل اپنا	کہ آواز شکست رنگ سے اب جی دہلتا ہے
اِدھر دل ہاتھ سے چھینا اُدھر پانوں سے مل ڈالا	یہ شوخی اُف رے کیا کچھ ہاتھ چلتا پانو چلتا ہے
مزے مرنے میں بھی ہیں قتل کے اے بوالہوس دیکھا	کہ قاتل خوں سر انگشت حنا ہاتھوں میں ملتا ہے

مجھے خود رشک ہے اس مرگ خوش انجام پر اپنی
یہ میں اور سر یہ تم اور تیغ بسم اللہ دیکھیں تو
اُدھر وہ ہاتھ میں خنجر لئے بیتاب آتے ہیں
یہیں اس جینے پہ مرتا ہوں کہ اس عاشق مزاجی ہیں
جگر کا دہی کو کیوں میں چھوڑ بیٹھے کیوں کچھ پہ گزری ہے
جفائے یار ابھی باقی ہے دم لے اے اجل اکدم
ادا بیساختہ ہوتی ہے پیدا سو اداؤں سے
ترے اس سے دامن باندھ دوں اپنی تغافل کا
عدو کی گرمجوشی دیکھکر یہاں جل گئے تیور
وہ مجھ کو قتل کرتے ہیں عدو نے کیا کیا ایسیں
تماشے کا تماشا ہے کہا کیوں حرف بیصرفہ
ترے ملنے کی کچھ کچھ صورتیں ہیں نقش سینہ میں
کہوں میں سیدھی ادنا فہم کجرفتار ٹھہرا ہوں
تم ایسے کھوئے جاؤ گے کہ دشمن پھر نہ پائیگا
مری سربازیاں بھی ہارتی ہیں غیر خود سر کا
جدا ہو کر قدم سے تیرے ہے یوں نقش پا مضطر
تری ہر فتنہ رفتاری میں ہے شورش محشر

کر اُنکے زانوئے نازک پہ اپنا دم نکلتا ہے
جفا سے کون پھرتا ہے وفا سے کون ٹلتا ہے
خوشی سے دل ادھر سینہ میں دو دو ہاتھ اچھلتا ہے
کسی پر جان جاتی ہے کسی پر دم نکلتا ہے
ابھی فضل خدا سے ہاتھ چلتا پانوں چلتا ہے
عدو کے ساتھ یہاں آنکو وہ گھر سے نکلتا ہے
ترے مستی کے عالم میں بھی اک عالم نکلتا ہے
کہاں تک دیکھیں اس خودرفتگی میں ہاتھ چلتا ہے
دھواں آنکھوں سے اپنے جائے نظارہ نکلتا ہے
کہ جو دل میں ہے وہ ہاتھ سے اُنکے نکلتا ہے
تمھاری بزم میں عاشق بجائے شمع جلتا ہے
ان اصنام خیالی سے ہمارا جی بہلتا ہے
چلو تم تیر ٹھہری اور نگیں اس ہی نکلتا ہے
تمھاری بات پلٹنے میں میرا مطلب نکلتا ہے
مرا پامال ہونا بوالہوس کا سر کچلتا ہے
کہ طفل آغوش مادر کی جدائی سے مچلتا ہے
مگر آغوش محشر میں طفل شوخ پلتا ہے

میری خونابہ افشانی نے یہ کچھ رنگ باندھا ہے
کہ طوفان تماشا آنکھ سے تیری اُبلتا ہے

مجھے دلسوز پر اپنے یقیں ہے تیری اُلفت کا
کسی کی آگ میں سچ ہے وگرنہ کون جلتا ہے

نزاکت نے تیری تجکو دلایا رحم بسمل پر
کہ گرمی تپش سے اسکی تیرا جی پگلتا ہے

تڑپتے بھی نہیں ہم آپکی پاس نزاکت سے
کہ ہوں کس طرح بار طبع نازک جی دہلتا ہے

مرے یہ نالہائے گرم گرم اور بیخبر اتنے
عدو کی ایک آہ سرد میں کیوں جی نکلتا ہے

حیا سے دُور کیوں بیٹھے گلے میرے لپٹ جاؤ
کہ وقت برق و باراں ہے تمہارا جی دہلتا ہے

تصور میں کسی کے اُف رے اپنی گرمی خلوت
کہ اندیشہ بھی اشک غیر کا یہاں آکے جلتا ہے

غضب ہیں ساعد و بازو و ساق و گردن و قامت
مگر ہر عضو یار اک نور کے سانچے میں ڈھلتا ہے

بجا ہے گر نہیں کوئے عدو میں نقش پا اسکا
وہ ہے اک چالیا چلنے میں بھی وہ اڑ کے چلتا ہے

اگر واقع میں عیوں ہی تو دل اک چیز ہے اپنا
کہ دل سے وہ بھی آنکھیں کبھی چتون بدلتا ہے

جسے دل ہار ہو اپنا یہ باتیں اُس سے لازم ہیں
میں اپنا دل بدلتا ہوں جو تو آنکھیں بدلتا ہے

مری عین تمنا ہے کہ ہے سر سے بلا ٹلتی
میں اپنا دل بدل لونگا جو وہ چتون بدلتا ہے

چمن میں غنچے پھوٹیں گل کھلیں کیا کام ہے انور
ہمارا دل تو گلرویوں کے غنچے میں بہلتا ہے

نہیں سمجھا نہ آپ آئے کہیں سے
ٹپکتا ہے پسینہ اُس جبیں سے
چلی آتی ہے ہونٹوں پر شکایت

پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے
ستارے جھڑتے ہیں ماہ مبیں سے
ندامت ٹپکی پڑتی ہے جبیں سے

میں اس برہم مزاجی کے تصدق
اُلجھتے ہیں وہ زلفِ عنبریں سے

بسر کرتا رہا ہوں زندگانی
تہ تیغ اُس نگاہ شرمگیں سے

یہ کس نقش قدم پر جبہ سا ہوں
کہ سر اُٹھتا نہیں اپنا زمیں سے

تمھیں ہمخواب دشمن دیکھتا ہوں
اٹھا پردہ یہ چاک آستیں سے

جہاں مدفوں ہیں تیرے کشتۂ ناز
یقیں ہے حشر اُٹھیگا وہیں سے

نہیں کوئے عدو میں نقش پا تک
مگر وہ اُڑکے چلتے ہیں زمیں سے

جنوں میں اس غضب کی خاک اُڑائی
بنایا آسماں ہم نے زمیں سے

گریباں گیر ہے یہاں شوق مُردن
وہ خنجر تو نکالیں آستیں سے

کہاں کی دِل لگی کیسی محبت
مجھے اِک لاگ ہے جانِ حزیں سے

دو رنگی ایک جا نسے نچھوٹی
مجھے مارا اداۓ مہر وکیں سے

اُلٹ دیگا جہاں بسمل تڑپ کر
سنبھالو دست و پائے نازنیں سے

بجائے شمع جلتے ہیں سراپا
تمھاری بزم روشن ہے ہمیں سے

غضب ہی بیجگر تھا بسمل شوق
کہ جا لپٹا ترے فتراک زیں سے

وہ کچھ بیتابیاں بگڑے سے تیور
لڑائی میں مزا ہے اُس حسیں سے

اُدھر مارا اِدھر مجھ کو جلایا
لب جاں بخش و چشم خشمگیں سے

نہ نکلی اُس کے مُنہ سے آہ تک بھی
جسے مارا نگاہِ شرمگیں سے

نہ دل قابو میں اور دل میں نہ اب صبر
کھنچیں کس بل یہ ہم اس خشمگیں سے

اُٹھانے ایک قیامت بیٹھے ہیں وہ
غضب فتنے لگا لائے کمیں سے

کمی کی دست قاتل نے تو بسمل
بڑھائیے دست و پائے نازنیں سے

اِدھر لاؤ ذرا دستِ حنائی
پکڑ دیں چور دل کا ہم یہیں سے

اگر سچ ہے حسینوں میں تلوّن
تو ہے اُمید وصل اُن کی نہیں سے

برنگ بو نکلتے ہیں کرشمے
تمہاری نرگسِ سحر آفریں سے

جہنم ہے مجھے گلزارِ جنت
جُدا ہوں ایک غدار آتشیں سے

یہ پردے ہیں بقدرِ شوقِ دیدار
یہ ساری لن ترانی ہے ہمیں سے

جہاں کو جلوہ گاہ یار دیکھیں
جو نظارہ کریں چشمِ یقیں سے

مجھے کیا غم کہ بار اُلفتِ غیر
نہ اُٹھے گا کبھی اس نازنیں سے

سنانیں چل رہی ہیں جان و دل پر
نگاہیں لڑ رہی ہیں اک حسیں سے

وہاں عاشق کُشی ہے عینِ ایمان
اُنہیں کیا بحث انور کفر و دیں سے

الحذر اس عشق کے آزار سے
موت ڈرتی ہے ترے بیمار سے

اعتبار اُلفت کا کیا اغیار سے
دم چُراتے ہیں تری تلوار سے

کچھ تو ہی خالی نہیں اغیار سے
رنگ اُڑتا ہے گلِ رخسار سے

ہے فلک تک خاک اور بغمِ رقیب
جل رہا ہوں آہ آتشبار سے

ضعف میں مرنا بھی مشکل ہو گیا
جان اُلجھی ہے نفس کی تار سے

ہو رہینگے اک نہ اک دن یہ ہی حشر
فتنے اُٹھ اُٹھ کر تیری رفتار سے

قہر ہیں مستی میں وُہ انگڑائیاں
خالی ہاتوں لڑتے ہیں تلوار سے

گر کہیں جا بیٹھیں ہم تکلیف دوست
سایہ اُڑ جائے تیری دیوار سے

وہاں وُہی طرزِ جفا غفلت شریک
پس گیا جو پس گیا رفتار سے

جمع اپنا حشر میں دل جب ہوا
بجلیاں ٹوٹیں نگاہ یار سے

ہے خریدار ایک عالم یار کا
سرد ہوں اِس گرمی بازار سے

تھی جو مطلب کی تو ساری برہمی
جھٹ اُڑا لی طرۂ طرار سے

مجھ سے گر ضد ہے تو لو کہتا ہوں میں
میرے کہنے سے ملو اغیار سے

واعظِ وقت آج انور بن گئے
کل نکلتے تھے درِ خمار سے

نہیں طاقت مجھے ضبطِ فغاں کی
بُرائی سر پہ لینی ہے جہاں کی

پیام غیر ہی پر گو کہ ہاں کی
حقیقت تو کھُلی اُنکے وہاں کی

تمنا تم سے رکھتا ہوں جہاں کی
میری اک بات ہے سو داستاں کی

ملے جان ابد کیا گر نہ جانا ؎
کہ کیا مدت ہے عُمرِ جاوداں کی

کمر باندھی ہے توبہ توڑنے پر
الٰہی خیر عزمِ ناتواں کی

در و دیوار سے حسرت ہے پیدا
مکاں بھی کہہ رہا ہے لامکاں کی

خُدا کی بے نیازی مانتا ہوں ؎
ذرا پرسش نہیں نازِ بُتاں کی

کسی کافر پہ گر مرتے نہ رہتے — تو کیا لذت حیاتِ جاوداں کی
تمہارے ہاتھ سے مرنا ہے شاید — کہ گذری شامِ غم اس نیمجاں کی
وہ اپنے دم میں ہیں اس فکر میں ہم — کہ مہمانی کریں کیا مہماں کی
رہا یکساں ہمیشہ بار اغیار — وفائیں ہم سے پُوچھو آسماں کی
بغل میں دل یہاں چلتے ہیں واں تیر — جُدائی دیکھتا ہُوں جسم و جاں کی
چلے دشمن کے گھر خود رفتہ ہوکر — طبیعت آگئی ایسی کہاں کی
ستم ہے پند گو کی مہربانی — دُہائی اُس بُتِ نامہرباں کی
تکلف اپنی بزم آرائیوں کا — دِکھا دیتا ہے صورت میہماں کی
یہ باتیں سچ یہ قسمیں راست لیکن — یہ کیا کہتی ہے طراری زباں کی
اِدھر ہم اور گراں جانی کے دعوے — اُدھر تم اور صلاحیں امتحاں کی
سُلائیں بخت بیدار عدو کو — کہانی کہکے اُس آرامِ جاں کی
یہ رُعب حُسن سے گھبرا گئے ہم — کہ سوجھی بات کچھ اور کچھ بیاں کی
مِلیں نظریں تو اب دِل کی نہیں خیر — خبر یہ سود دیتا ہے زیاں کی
شکست عہد پر باندھینگے کس کو — کمر میں ہے جو خاصیت دہاں کی
غم اُنکا دل میں ہے اے نالہ خاموش — کہ نازک ہے طبیعت میہماں کی
چھری ہوتی ہے وہاں عشاق پر تیز — اُنہیں حاجت نہیں سنگ فساں کی
رہے ناکام باب اس ضعف سے ہم — کہ منت تک نہ اُٹھے پاسباں کی

ہمیں سر پھوڑنے کے ولولہ ہیں
نہیں خبر اُنکے سنگ آستاں کی

یہ سوئے کُشتۂ تیغِ تغافل
کہ آنکھیں کُھل گئیں خوابِ گراں کی

ستم سے باز آئے بھی تو ایسے
کہ اپنے ناز پر خود الاماں کی

چلے ہیں آج انور میکدہ میں
کرامت دیکھنا پیرِ مغاں کی ؛

یہاں آرزوئے قتل میں جینا عذاب ہے
یعنے تمہارے ہاتھ سے مرنا ثواب ہے

کیا اسکی ہے خوشی کہ وہ رُخ بے نقاب ہے
اِک میرے ساتھ چشمِ جہاں کامیاب ہے

کہتا ہوں شوقِ وصل یہاں بیحساب ہے
میرا سوال یاں سے میرا جواب ہے

کس دِل سے توبہ توڑے ساقی کے ہاتھ ہے
پیمان سے اپنے بڑھکے نزاکت مآب ہے

چشم اپنی اپنی اُس کے تماشے سے بند ہے
غفلت ہے اِک طرح کی گرانیِ خواب ہے

وہاں اِک نہیں کی بات سوا دوسری نہیں
مثلِ دہن سخن بھی مگر لاجواب ہے

دیکھی ہے ہم نے ایسی شبِ تیرہ طالعی
دَوراں میں اپنے ساغرِ مے آفتاب ہے

دشمن کی خاک اڑاتے ہیں وُہ تو بھی رشک سے
اُن سے زیادہ کچھ مری مٹی خراب ہے

نذرِ خیال کاکلِ صد تاب کیا کروں
دِل ہے تو وقفِ کشمکشِ پیچ و تاب ہے

وہاں اِک ستم تو یہاں ہمہ تن ہے زبانِ شکر
اپنا جدا جہاں سے حساب و کتاب ہے

عرض کشادہ زلف پر ابروئے پرشکن
سیدھی ہی بات بھی ہے تو اُلٹا جواب ہے

ہو عذر گو اِک آتشِ چشمِ نم میں
ہے بادہ مہرتاب تو کیا اجتناب ہے

قسمت ہے یہاں جو دشمن تسکین جان و قف
یہ دل پہ لکھ گیا کہ نہیں وہاں شمارِ ظلم
ہاں سر جھکائے بیٹھے رہو تم کچھ اَور بھی
کیوں اتنی دُور ذوق زباں کے لئے گئے
منہ یک بیک جو کھول دیا ہے تو عشق میں
دلشاد اپنے قتل کے وعدے پہ ہوں مگر
اُلٹے ہا ہیں سیدھی بات بھی اُلٹی ہی کرتے ہیں

روزِ وصال بھی تیری آنکھوں کا خواب ہے
ورنہ کسے دماغ حساب و کتاب ہے
ہم بھی یہ دیکھتے ہیں کہ کب تک حجاب ہے
واعظ طہور خلد میں ہے یاں شراب ہے
حسرت ہی اپنی چہرہ پہ اُنکے نقاب ہے
اُنکا خیال رنجش باز و عذاب ہے
کہتا ہوں اِک نگاہِ کرم ہو عتاب ہے

انورؔ یہ عقدہ پیرِ خرابات سے کھلا
بگڑا ہوا طریقۂ دیر خراب ہے

کُوچہ میں ترے کیا کوئی بےخوف و خطر جائے
کیا بچکے مرے دل سے ترا تیرِ نظر جائے
شاید شبِ غم جوشش وحشت میں گذر جائے
قاتل ہے جو موہُوم تو پھر مطلب دل کیا
قابو میں طپش کے ہیں ترے مضطرب الحال
یہ قطرۂ آب اَور جگر و دل مرے تشنہ
ہو کچھ تو علاج تفِ خورشید قیامت
کچھ پاؤں اُلٹ جاتے ہیں وہاں رُعب ہے ایسا

ہر گام کا اُٹھنا یہ دکھاتا ہے کہ سر جائے
وُہ جائے جدھر سایہ صفت یہ بھی اُدھر جائے
جو دستِ جنوں تا بگریبان سحر جائے
دیکھیں کہ کہاں کشتۂ انداز کمر جائے
سمجھیں اُسے مَوت اپنی جو کچھ بھی یہ ٹھہر جائے
پیکان ترا کہیئے کہ اِدھر جائے اُدھر جائے
محشر میں کوئی جائے تو با دامن تر جائے
اُس کوچہ میں جو جائے زمیں سے وُہ اِدھر جائے

دلدوز ہے جانسوز ہے ہر نالۂ بلبل
ڈر ہے کہ دلِ یار میں تاثیر نہ کر جائے

تاکا ہوا اُسکا نہیں جاتا ہے کہ بسمل
اُڑ کر جو بہت جائے تو تا حد نظر جائے

آئے تو مرے سینہ میں دم لے ترا پیکاں
حاضر جگر و دل ہیں اِدھر جائے اُدھر جائے

اِک جیت کی بازی ہے نظر بازیِ عاشق
سو جلوے نظر آئیں اگر ایک نظر جائے

لب نغمہ سرائی ارنی مجھکو ملے کیوں
منظور جو یہ تھا کہ مرا ذوق نظر جائے

تمکین اُسے جانے نہیں دیتی کہیں ہرگز
کیا جائیگا وُہ گرچہ کسی بات ہی پر جائے

بیڈھب ہی ہوا ہے دل آشفتہ مزاج اب
ڈر ہے کہیں مجموعۂ عالم نہ بکھر جائے

اُمید ہے اپنی یہ برآئے نہ برآئے
یا تیغ سر قتل سے یا سر سے گذر جائے

ہے اُن پہ گراں رنج تماشائے مقابل
عکس اُترے جو آئینہ میں چہرہ بھی اُتر جائے

جو روز قیامت ہے اِسی رات میں ہوگا
ورنہ یہ شبِ غم نہیں ممکن کہ گذر جائے

اُس بزم میں جائیگا عدو حشر اُٹھا کر
کیا عمر ہے اپنی کہ جو باتونمیں گذر جائے

کیا خوب نزاکت ہے کہ اُلفت سے عدو کے
تم ہاتھ اُٹھا لو تو کلائی نہ اُتر جائے

دِل سے تو خلش جائیگی اُس پلمیں نہیں کی
اے کاش وُہ اقرار کرے گرچہ مکر جائے

اچھا ہے کہ اس کاہش انجام سے چھوٹوں
نظروں سے ترے مجھ پہ قیامت جو گذر جائے

جان بخش ہے گفتار تو لب چشمۂ حیواں
پھر کہئے کہ اُنپر کوئی کس بات پہ مر جائے

برہم جو ہوئے ہیں وُہ بس اب کچھ نہ بنیگی
تقدیر ہے کیا بات کہ بگڑے تو سنور جائے

روشن ہے چراغ رہِ تاریک محبت
اندھیر ہو کیا کچھ جو مرا داغ جگر جائے

اپنے کو تجلی گہ جاناں میں میں دیکھوں
خود ہی نظر آتا ہوں جہاں تک کہ نظر جائے

ناکامی میں گر کچھ بھی دُعا کیجئے انور
لب تک بھی نہ آئے کہ دُعا میں سے اثر جائے

اب اپنا حال ہم اُنھیں تحریر کر چکے
خامہ سپُرد کاتبِ تقدیر کر چکے

کہتے ہیں تم وصال کی تدبیر کر چکے
گویا ہمارے حق میں وُہ تقدیر کر چکے

تدبیر کو حوالۂ تقدیر کر چکے
ہم بے زبان بھی یار سے تقریر کر چکے

دِل خار خار خندۂ چشم اثر ہے اب
دِل گرم صرف نالۂ شبگیر کر چکے

ڈرتا ہوں یوں کہ بستۂ فتراک کیوں نہیں
میں ہُوں وُہی کہ تم جسے نخچیر کر چکے

ہم جان کیوں نہ دیں دمِ گفتار بار بار
پر دیکھتے ہیں یہ کہ وُہ تقریر کر چکے

باہر ہے ضبطِ شرم سے آشفتگی سری
تم بھی اسیرِ زلفِ گرہ گیر کر چکے

وقتِ پیامِ وصل وُہ کہتے ہیں ہو چکا
شائد عدو سے وصل کی تحریر کر چکے

بس انتظارِ صبحِ قیامت نہیں قبول
ہم اب تو عزمِ نالۂ شبگیر کر چکے

کچھ مُزدِ رنج بازوئے قاتل نہیں کہ دل
نذرِ ادائے بُرّشِ شمشیر کر چکے

کھُلتا نہیں یہ عقدہ کہ ہو بیٹھے شاد کیوں
کِسکو اسیرِ زلفِ گرہ گیر کر چکے

کہئے کہ شانِ عشق میں کیا ہو گئی کمی
گو آپ خُوب سی مری تحقیر کر چکے

دِل ہے یہاں و وہم قصورِ طپش معاف
تم بھی نگاہِ شرم کو شمشیر کر چکے

کھلتا ہے اور نالہ رسائی سے دل مرا
نالہ یہیں تو اُنپہ بھی تاثیر کر چکے

صورت چھپائیے کسی صورت پرست سے
ہم دل میں نقش آپ کی تصویر کر چکے

دامن کشاں چلے ہیں مری خاک پر سے وہ
برباد کرنے کی مری تدبیر کر چکے

کچھ حشر خیزئ شب غم انتظار مرگ
کچھ دور ظلم وقت کی تاخیر کر چکے

گو تم نے اسکو رکھ کے نظر میں گرا دیا
لیکن عدو کی عزت و توقیر کر چکے

تا چرخ ہیں اڑائے پھرے مجھ کو ضعف میں
نالے کہاں کہاں مجھے تشہیر کر چکے

ہے وہاں نگہ نگہ کو سر دلبری مگر
دل کو مرے وہ قسمت صد تیر کر چکے

کھٹکے کہ زور بازوئے ہیں کدھر گیا
سو بار غیر آپ کی تقصیر کر چکے

کس منہ سے جبہ سائے در یار ہوں کہ ہم
پہلے جبیں حوالۂ تقدیر کر چکے

دل مصر ہے کہ کارکنان قضا اسے
سامان صد شکستن تعمیر کر چکے

چن چن کے بیگنہ کو وہ لاتے ہیں زیر تیغ
ہم جب سے اس امید پہ تقصیر کر چکے

آخر تو بعد آس کے ہے یاس سے امید
جو کچھ ہم اپنی آہ کی تاثیر کر چکے

اب کیا کہیں کہ قول و فا دے چکے انہیں
پہلے ہی قطع دامن تقریر کر چکے

اب کیا رہا لپیٹ ہیں دامن سے آپ کے
مٹی ہم اپنی آپ جو توقیر کر چکے

ہے چشم دجلہ بار تو گیا ہم کو چشم زیست
کاشانۂ روئے آب پہ تعمیر کر چکے

کیوں التجائے قتل سے کیجئے انہیں تنگ
جب وقت آگیا تو وہ تاخیر کر چکے

ہم کس سے شکوۂ مہ قبول دعا کریں
اب قسمت شکایت تاثیر کر چکے

اب منہ سے بولتی کوئی تصویر آپ کی
جاں اپنی ہم حوالۂ تقدیر کر چکے

اُس لب پہ امتحاں کے لئے مرمٹے ہیں ہم
جینے سے پہلے مرنے کی تدبیر کر چکے

ہوتا ہے وُہ ہی یہاں کہ جو منظور ہے وہاں
انور ہم آزمائشِ تقدیر کر چکے

شکائت کیا تمھارے آستاں کی
زمیں بھی سوچتی ہے آسماں کی

رہی سُدھ عشق میں یہاں کی نہ وہاں کی
کوئی پُوچھے تو بتلاؤں کہاں کی

یہ حالت ہے مِرے دردِ نہاں کی
کہ صُورت دیکھتے ہو رازداں کی

بس قتلِ جہاں لاؤ گے کس کو
یہ خصلت تو بُری ہے امتحاں کی

نہ آئے ضعف سے گو آہ لب پر
مگر ہمت تو کی ہے لامکاں کی

گھڑی جو عشق میں گذری تڑپ کر
وُہ اِک مدت ہے عمرِ جاوداں کی

یہاں آنیکا غم تھا جانے کا وہاں
حلاوت کیا ملی دونوں جہاں کی

تِری محفل بنی یوں بے تکلف
کہ پھبتی ہے عدو پر میزباں کی

وُہ یہاں آئیں تو کیونکر ہم نہ دیں جاں
کہ مہمانی ہے واجب میہماں کی

وہاں اک بات ہے کہنے کو ورنہ
نشانی بے نشان ہے اُس وہاں کی

نہ ہاتھ اُٹھنے سے ثابت ہے ستم پر
نزاکت بڑھ گئی اُس دلستاں کی

عنائت غیر پر یہ غیر ممکن
مگر ہے طرز میرے امتحاں کی

تمھیں دیکھا تو دل دینا ہی سوجھا
نہ سُوجھی کچھ ہمیں سُود و زیاں کی

ستم چھوڑو کہ ہے پاس نزاکت
ملامت کب اُٹھیگی اِک جہاں کی

مری فریاد بہر خواب اغیار — کہانی ہے کسی آرام جاں کی

یہاں یہ عجز انور وہاں وُہ تمکیں
زمیں کی ہم کہیں وُہ آسماں کی

مجھ کو پوچھا غیر کے ارشاد سے — داد بھی ملتی ہے تو بیداد سے

دُور ہے جتنا طریقِ داد سے — باخبر ہُوں چرخ کی اُفتاد سے

پرسشیں یوں ہیں کہ گویا فی المثل — تم نہیں واقف مری روداد سے

کیا سُنوں دِل کی مہمِ عشق میں — عار ہے یہاں غیر کی امداد سے

ہے طبیعت کا تعلق ہی ستم — جی نہیں بھرتا تری بیداد سے

بڑھ کے شوقِ وصل سے تھا شوقِ قتل — جا کے لپٹے خنجرِ جلّاد سے

لُطف سے خالی نہیں اظہارِ درد — دِل مرا بھرتا نہیں فریاد سے

فرض ہے کیا مجھ کو عرض حال زار — کچھ سمجھ لینگے مری فریاد سے

داد خواہی اپنی ہے اُس پر ستم — کچھ وہ چُپ چُپ ہیں مری فریاد سے

ہیں اگر آنکھیں تو نزہت گاہ دِل — کم نہیں ہے گلشنِ شداد سے

تم پہ جو گذرا عدو کے عشق میں — ایک فقرہ ہے مری روداد سے

یہ خوشی کم ہے کہ ہم اُس بزم میں — اِک طرف بیٹھے تو ہیں ناشاد سے

وصف ضبط غیر ہو تو کیا گلہ — چیخ اُٹھے وہ مری فریاد سے

ہیں غنیمت ضعف میں نالے کہ دوست — مجھ کو پاتے ہیں مری فریاد سے

سنتے ہیں عبرت سے وہ حالِ عدو
چونک اُٹھتے ہیں مری فریاد سے

جم گیا نقشِ وفائے مدعی
موم ہے جو دِل مری فریاد سے

وہاں مدارا ہجرِ ظلم اور یہاں خوشی
دوستی ہے اُس ستم ایجاد سے

اُٹھ سکے جس کی نہ اِک طرزِ جفا
کیا نبھیگی اُس ستم ایجاد سے

ضبطِ غم منھ پر مرے کھلتا نہیں
کون واقف ہے مری روداد سے

ہم ہی اپنے سے نکل جاتے ہیں خیر
غم نہ نکلے خاطرِ ناشاد سے

آنکھ سے اوجھل ہے مثلِ کوے یار
فائدہ کیا گلشنِ شدّاد سے

اِسقدر محوِ تحیّر ہوں کہ میں
مِل گیا تم میں تمھاری یاد سے

ہے فزوں تر راز داں کا التفات
شاد ہوں کیا کیا دِلِ ناشاد سے

مصلحت یوں ہے کہ چپ رہئے مگر
سب خبر ہے آپ کی روداد سے

دل کی سعی و جہد سے دیکھا نہیں
دِل کو پایا عشق کی امداد سے

ہے طپش اپنی رہائی اور کی
چھٹ گیا خنجر کفِ جلاد سے

اب کسی جا اور انور چل رہو
نبھ چکی چرخِ ستم ایجاد سے

میں رہوں کس جا کہ ہے فریاد سے
تنگ تر عالم دِلِ ناشاد سے

لطف کینے سے کرم بیداد سے
اِک ادا خالی نہیں ایجاد سے

گرچہ کچھ ہوتا نہیں فریاد سے
چھیڑ تو ہے اُس ستم ایجاد سے

ہے دلِ آزاری کے شامل لطفِ عام
مجھکو مارا داد سے بیداد سے

تم جفا پیشہ ہو تم کو فرض ہے
مشورہ چرخِ ستم ایجاد سے

تم کو عاشق کے ستانے کا مزا
اور مجھے کاوشِ دلِ ناشاد سے

کیوں مژہ کو دیجے تکلیفِ خلش
نیشتر لے لیجئے فصاد سے

سخت جانی کو غضب موقع ملا
سامنا ہے خنجرِ فولاد سے

فصد کیسے تھی رگِ جاں کھولتی
دل جلا دِل گرمیٔ فصاد سے

اِک نہیں مٹتا تو دِل سے رشکِ غیر
ورنہ کیا کیا کچھ بھلایا یاد سے

جاں ستاں تھا ہجر میں شوقِ وصال
ہم نے دانستہ بھلایا یاد سے

ناز سے تصویر کھنچنے کے عوض
کھنچ گیا نقشہ ترا بہزاد سے

بس سوا اسکے کہ ہم کھوئے گئے
اور کیا پایا تمھاری یاد سے

بے غمی ہو گو کسی عالم میں ہو
ہم گرفتاری میں ہیں آزاد سے

ہے قفس میں گرچہ آزادی مگر
بیطرح اَن بَن ہوئی صیاد سے

صید خود آیا ہے تا پیکانِ تیر
ہے اُمید آفریں صیاد سے

لُطف و خشمِ باغباں سے کیا غرض
خیر جو بگڑی بنی صیاد سے

صید لاغر ہوں نظر میں خار ہوں
کیوں نہ اُلجھوں دامنِ صیاد سے

دِل میں کیوں کھٹکا رہائی کا رہے
مول لے لیجے قفس صیاد سے

ہو طپش میں صید کی اتنی تو بات
آفریں نکلے لبِ صیاد سے

مٹ گیا وہ رہگذارِ یار میں
جانِ شیریں ہے مگر بے لطفِ وصل
میرے مرنے سے صفِ اغیار میں
دِل کسی سے لڑ رہا ہے زیرِ تیغ
کچھ گلے ملتے رہے خنجر سے ہم

حشر جو اُٹھا مِری فریاد سے
تلخ تر ہے تلخیٔ فرہاد سے
حشر ہے شورِ مُبارکباد سے
ہاں نظر ملتی رہے جلاد سے
آنکھ کچھ ملتی رہے جلاد سے

انور اُس کا اُنس ہر جا ساتھ ہے
ہم کہاں جائیں جہاں آباد سے

مجھ کو حیرت میں مرا راہنما کرتی ہے
خاک میں جو تری ٹھوکر سے ملا کرتی ہے
کچھ ادائیں تیری مطلب کی ادا کرتی ہے
وُہ ہوا جو کہ سمجھتے تھے ہم انجامِ رقیب
کچھ ادا شرطِ وفا عالمِ فرقت میں مگر
غیر کی ہمسخنی مرگ ہے اور مرگ مراد
جانتا ہوں طپش دل کے جو اسباب وصال
وُہ چلے آتے ہیں کیا مضطر و بیخود ہے
جھوٹے دعووں پہ بھی ملزم نہ ہوا تو جانا
حشر بھی ہے یہی برہمزنِ عالم لیکن

کچھ ہُوں اور کچھ نگہ ہوش رُبا کرتی ہے
وُہ قیامت سرِ عاشق پہ اُٹھا کرتی ہے
میری تقدیر میرے ساتھ ہنسا کرتی ہے
نہیں معلوم کہ شوخی تری کیا کرتی ہے
زندگانی مِری یا تیری جفا کرتی ہے
بات اُس کی مِرے مطلب کو ادا کرتی ہے
میری تدبیر پہ تقدیر ہنسا کرتی ہے
مجھ کو شرمندہ مری آہ رسا کرتی ہے
کہ تری بات میں اِک بات رہا کرتی ہے
تیری رفتار کوئی بات سوا کرتی ہے

پھنس گیا دل مرا عقدے جو کھلے ہیں اُنکے
مجھ پہ ظلم اور مری فکر رسا کرتی ہے

تیری صورت بھی تصور میں ہی مجھ سے کھنچیں
کبھی دل میں کبھی آنکھوں میں رہا کرتی ہے

ہیں ضعیفوں ہی پہ سب تیز کہ قاتل کی نگاہ
آنکھ پھرتے ہی میرے دل سے لڑا کرتی ہے

ہاتھ ہر دم سوئے جیب اُٹھتے ہیں اور جیب نہیں
تنگ کیا کیا مجھے تحریک صبا کرتی ہے

یہ چرخ لاتا ہے اُٹھا کر اُسے عالم میں بکار
جو جفا تیری نگاہوں سے گرا کرتی ہے

کوئی روٹھے ہوئے منتے ہیں وہ کب آتے ہیں
کہیں بگڑی ہوئی تقدیر بنا کرتی ہے

صبر کر ہجر میں انور کہ ہر اک عاشق پر
ہوتی اتنی ہے کہ بیداد ہوا کرتی ہے

وحشی ترے مکاں میں سر لامکاں رہے
تو ہی رکھے نہ دل میں تو کوئی کہاں رہے

آنکھیں تو کامیاب ہیں صدمہ ہے دل لیے ہو
بیٹھا رہے وہ سامنے گو سرگراں رہے

شب کو وہ یہاں نہ تھے تو نظر تھی کہاں کہاں
ہم بھی وہیں رہے ہیں وہ مہماں جہاں رہے

ہم کو بھی عمر خضر پہ کیا کیا نہ رشک آئے
دل میں اگر کوئی خلش خار وہاں رہے

پڑتی ہے اپنی آنکھ دل و چشم غیر پر
گو اب نہ ہو مگر وہ کبھی تو یہاں رہے

کوچہ ہو غیر کا کہ گذرگاہ دوست ہو
ہم بھی وہیں رہینگے خرابی جہاں رہے

بقدر انکے دل میں ہیں چشم عدو میں گل
اپنے کو ہم مٹا کے رہے ہیں جہاں رہے

ہے ہے یہ اپنی عرض وفا پر ادھر ہنسی
انور جو غیرت آگئی تو ہم کہاں رہے

سہرا

اللہ اللہ رے نوشاہ کا زیبا سہرا — ہے سراپا یدِ قدرت کا تماشا سہرا

یاد بھولی ہے تجلی کو نکرتے موسٰے — دیکھتے آکے جو یہ رشکِ تجلی سہرا

واہ کیا تاب ہے کیا شان ہے کیا حسن و جمال — واہ کیا نام خدا چہرہ ہے اور کیا سہرا

ناز ہے فصلِ بہاری کو چمن پر کیا کیا — گل و نسرین و سمن سے ہے جو گوندھا سہرا

آیا سہرا تو کہا مشتری و زہرہ نے — دیکھیں دیکھیں کدھر آیا کدھر آیا سہرا

اسکا معدوم نظیر اسکا نہ ثانی ممکن — جوہرِ فرد ہے رُخ گوہرِ یکتا سہرا

آج وہ دن ہے کہ سب عقدۂ وابستہ کھلیں — آج وہ دن ہے کہ نوشاہ نے باندھا سہرا

وجد کرتے ہیں اسے دیکھ کے کیا کیا صوفی — ہے عجب جلوۂ قدرت کا تماشا سہرا

رشتۂ طولِ ابد گوہرِ عمرِ جاوید — دستِ قدرت نے بہم کرکے بنایا سہرا

آتشِ گل سے ظہورِ شجرِ طور ہوا — دستِ رنگیں سے جو نوشاہ نے باندھا سہرا

کان و معدن پہ مہ و مہر کو رشک آتا ہے — لعل و گوہر سے جو نوشاہ کا گوندھا سہرا

رشتۂ عمر یہ لے آئے وہ لائے سوزن — خضر و عیسیٰ نے بہم ہو کے ہے گوندھا سہرا

گر گئی نظروں سے پروین و شعاعِ خورشید — چاند سے چہرہ پہ دولہ کے جو دیکھا سہرا

عرش رحمت سے برستا ہے یہ بارانِ ضیا — پاؤں تک جو سر نوشاہ سے لٹکا سہرا

کثرتِ شوق سے بنکر ہمہ تن صورتِ دست — ہیں بلائیں رخِ نوشاہ کی لیتا سہرا

موتیوں میں تجھے تولیں تو بجا ہے انور — کیا نئے ڈھنگ نئے رنگ کا لکھا سہرا

قصیدہ در مدح مہاراؤ مہاراجہ شیودان سنگھ بہادر مہاراؤ الور

ہاں اے چمن طراز فضائے دل فہیم / ہاں اے شمیم ناز گل و خاطر نسیم

کہتے ہیں فیض قدس تجھے اور تجھی میں ہے / ایک نور جلوۂ کرم مبدع علیم

ہے مشک بیزیوں سے تری قلب نافہ زار / گل ریزیوں سے ہے تری خاطر ارم حریم

باطن میں تجھ سے نور فزا جلوۂ کلام / سینہ میں تجھ سے جلوہ فزا آتش کلیم

گر ہے زبان دہن میں زباں میں ہے نطق تو / گر نطق ہے سخن میں سخن میں ہے تو نعیم

انساں کی جان ناطقہ تو ناطقہ کی جان / تو ہی نہ ہو جو یار تو ہے آدمی بہیم

کیا کچھ نہیں ہے فیض ترا اک جہان پر / کیا کچھ نہیں ہے خُلق ترا خلق پر عمیم

عالم ہے پُر روائح جاں بخش سے تری / مجھ کو بھی ایک نفحہ ملے یا کوئی شمیم

ہے فکر مجھ کو اُسکی ثنا کا کہ جس سے ہے / تجھ کو بھی ایک ربط دلی اُلفت صمیم

وُہ کون یعنی والیٔ الور سحاب جُود / وُہ مہر اوج حلم و حیا باذل و سلیم

مطلع لکھوں وُہ اس کی ثنائے حضور میں / جُوں صبح دِل کشا ہو پئے خاطر فہیم

مطلع تو ایک کوہ حلم ہے اے داورِ کریم / دبجائے تیرے سایہ سے بھی دشمن جسیم

ہے تیرے نام رُوح فزا سے دلوں میں جاں / ہے تیری ذات جان عطا سے عطا قویم

خوش خو و خوش جمال و خوش اطوار خوش نہاد / ہے تو جہاں میں اور عدم میں ترا سہیم

تیرے جمال و جاہ و کرم سے ہے دہر میں / پستی رفیع قبیح حسیں اور دنی کریم

گر تیرے مہرِ رُخ سے نہ پائے کمالِ نُور
رہ جائے غم سے گھٹ کے مہِ نیم ماہ نیم

دشمن پہ بھی ہے فیضِ کفِ کیمیا طراز
ہے تیغِ آہنی ترے قبضہ میں تیغِ سیم

تیرے قدم میں ہے چمنِ فتح کی بہار
جو گرد رہگذر میں اُٹھی ہو گئی نسیم

آتا ہے حشر تیرے دمِ حملہ آوری
دشمن کے گھر میں ڈر کے مگر ہو گیا مقیم

یکدست تیرے دَورِ مسرت طراز میں
دُنیا سے مٹ گیا الم اے داورِ کریم

دل سے محرّران قضا نے مٹا دیا
لکھتا نہیں الم کو کوئی کاتبِ فہیم

اور جو لکھا بھی تو نہیں ہے الم وہ ہے
تسطیر حرفِ علت تحریر الم میم

علت کا حرف بھی نہ ہو لم سے یہ ہے
اسواسطے کہ کوئی الم سے نہ ہو سقیم

گر تو ستم کُشان گذشتہ کی داد دے
ہو کوہ و تیشہ مثلِ سرِ کوہکن دو نیم

ہر شَے میں تیری پختہ مزاجی کو دخل ہے
ڈر ہے رہے نہ تیرے زمانہ میں خام سیم

گرتی ہے ٹوٹ ٹوٹ کے دشمن کی فرق پر
شمشیر تیری برق ہے اور وہ سیہ گلیم

عالم ہے کامیاب ترے دستِ فیض سے
اللہ رے وصفِ خاص زہے بخششِ عمیم

دینے میں حصر دوست پہ دشمن پہ کچھ نہیں
ہے تجھ میں پرتو صفتِ رازقِ کریم

تا نسلِ قاطعِ جگر الماس بنکے ہو
جو کھائے تیرے عہد میں یک حق یتیم

تیرے عقابِ نر کے لئے کچھ غذا بھی ہو
اچھا ہے بدسگال ترا ہے اگر سہیم

دیکھے وُہ تیرے گنج گہر ہائے بے مثال
کہتے ہیں جو یگانہ گہر کو دُرِ یتیم

اسکندرِ زمانہ ہے تو عز و جاہ میں
اور عقل میں ہے رشکِ ارسطوئے حکیم

دشمن کی سرگذشت میں گر اوج ہو رقم
جو نقطہ جیم کا ہے وہ ہو داغ قلب جیم

ہے باریاب فیض حضوری تو شمع سے
دامن بچا کے چلتی ہے اب صرصر و نسیم

تو زہ کرے کمان میں اگر سہم بے خطا
دس حصہ خوف کھا کے گھٹے پیکر سہیم

یعنے کہ تیر سے تیر کی صورت ہو سہم کر
اور خود نظر میں اپنی کھٹکنے لگے لئیم

تلوار کھینچکر تو اگر پھینکدے نیام
بہر عدو نیام بھی ہو اژدر کلیم

فرق جفا قلم ہے تری تیغ عدل سے
ہے یہ یقین کہ فا و الف سے ملے نہ جیم

لکھا الم ہو جسکی براتِ نصیب میں
اور مال دیکے دے تو اُسے راحت عظیم

یہ انقلاب ہو کہ نہ بر جا رہیں حروف
بعد الف ہو لام تو قبل الف ہو میم

ہے سرپرست دہر ترا ظلّ عاطفت
کہیے دُرِ یگانہ کو کس طرح سے یتیم

تقریب پر ہے سالگرہ کے ہر ایک شاد
یہ امر ہے کہ خلق پہ ہو بخشش عظیم

جب سے زمانہ ہے شرف شاہ خاوری
دُنیا ہے باغ باغ تو اک صورتِ نعیم

ملتی ہے جان تازہ ہر اک ذی حیات کو
گلشن گل و شگوفہ سے پاتا ہے زر و سیم

اللہ رے تیرے سالگرہ کی خوشی کا شور
یوں چرخ پر صدا ہے کہ جیسے ترا حریم

کھولا ہے گوش جذر اصم اس نوید نے
غنچہ کو جس طرح سے شگفتہ کرے نسیم

اِس روز دولتیں وہ لُٹی ہیں درم نثار
درویش کا ہے کنج سرا گنج زر و سیم

رشتہ میں یہ گرہ ہے کہ نغمہ ہے تار میں
ہے یہ گرہ میں عیش کہ نافہ میں ہے شمیم

ہے یہ عجب گرہ کہ رُخِ اہل دہر پر
کھولا درِ اُمید تو کی بستہ راہ بیم

کیسے گرہ میں تیری طولِ عمر نے ۔ نقدِ حیاتِ خضر کو باندھا ہے مستقیم
یہ عُقدہ بھی وہ ناخنِ دستِ کشاد ہے ۔ کھولا ہے جسنے صد گرہ گیسۂ نسیم
سب مشکلیں جہاں کی ہوئی اس گرہ سے وا ۔ اِک میں رہا سو مجھ کو اُمیدیں بھی ہیں عظیم
یعنے وہ یہ کہ موردِ الطافِ خاص ہُوں ۔ تا ہو شہیرِ عام مرا رتبۂ فخیم
لایا ہوں وُہ جواہرِ بے مثل بہرِ نذر ۔ جسکا نظیر معدن و کاں میں بھی ہے عدیم
جنسِ بدیع و تازہ ہے یہ دیکھئے کہ اب ۔ کیا کچھ صلہ میں ملتی ہیں گنجینۂ قدیم
فرقِ جہاں پہ ذات تیری سایہ ور ہے ۔ ہستئِ دہر تیرے قدم سے رہے قویم
وابستگانِ دامنِ دولت ہوں عز و جاہ ۔ ہو شکر میں کشادہ زبانِ دولت ضمیم
حسّاد سوزِ غم سے جلیں اپنی آگ میں ۔ ہو ہر نفس زبانہ کشِ آتشِ جحیم
مسعود ہو یہ سالگرہ تجھ کو دہر میں ۔ ہر سال اس گرہ میں رہے فرحتِ عظیم

مَیں کون ہُوں کہ اُس کی ثنا مجھ سے ہو ادا
ہاں یہ دُعا کروں کہ ہمیشہ ہو وُہ کریم

آج کل ہے گرم بازارِ سخن ۔ جسکو دیکھو ہے خریدارِ سخن
دیدۂ معجز نگر کو ہے نوید ۔ ہے بہارِ یاسمن زارِ سخن
دل پسا جاتا ہے کچھ بیساختہ ۔ دیکھتے ہو طرزِ رفتارِ سخن
کھل رہا ہے رازِ اصلِ آگہی ۔ کھل رہا ہے نسترن زارِ سخن
ابرِ فیضِ معنوی ہے رشحہ بار ۔ تازگی پر ہے چمن زارِ سخن

جانفزا تر سنبل و نسرین سے ہیں
شام و صبح زلف و رخسارِ سخن

سرو موزوں سے ہے کچھ نکلا ہوا
قامتِ رعنائے دلدارِ سخن

لالہ و گل کو ہیں کچھ شرمار ہی
شوخیٔ رخسارِ گلنارِ سخن

ابر نیسانی سے ہے لڑتی ہوئی
بارشِ ابرِ گہر بارِ سخن

موج طوفانی سے ہے ملتی ہوئی
جوششِ دریائے ذخارِ سخن

دل کشی فرمائے زلفِ یار ہے
طرۂ پرتاب خمدارِ سخن

جادوے آموز چشم ناز ہے
نرگسِ مست فسونکارِ سخن

چشم انجم میں ہے کچھ کھٹکے ہوئے
لمعہ افروزی انوارِ سخن

اسکے جلوے دل میں رکھنے چاہئیں
قابلِ اخفا ہے اظہارِ سخن

سلام

یداللہ کی مدح خوانی رہے
کہ خود حق سے ہمداستانی رہے

سلامی غم شہ نہانی رہے
شرر ریزِ دل سوز جانی رہے

غمِ شہ میں یوں زندگانی رہے
کہ دِل شادِ ناشادمانی رہے

رہے میزباں جانِ ایذا طلب
۵ غم و درد کی میہمانی رہے

دل افزائشِ درد سے خون ہو
غم و رنج سے خون پانی رہے

رہے حصۂ نشترِ غم جگر
مژہ قسمتِ خونفشانی رہے

۴- غمِ شاہ دیں جاودانی رہے - زباں شیون و لب فغانی رہے

جگر آب ہو ہو کے آنکھوں میں آئے — یونہی آنسوؤں کی روانی رہے
رہے لطف فرمائے دلِ آہِ گرم — دمِ سرد کی مہربانی رہے
قلق میں قلق درد میں درد ہو — طپش صرف آسودہ جانی رہے
شررباریٔ نالہ ہو دمبدم — جگر سوزیٔ ہر زمانی رہے
زباں پر رہے یا علی یا حسین — نفس دلکشِ نوحہ خوانی رہے
اسی بیخودی میں رہے ہو تنِ جان — اسی مرگ میں زندگانی رہے
رہے تشنۂ دشنۂ غم جگر — جراحت سے راحت رسانی رہے
رہے ماتمِ شہ سے سینہ فگار — نمایاں عزا کی نشانی رہے
جدا ہی بنے قبرِ عباس بھی — پئے قطعِ بازو نشانی رہے
کہاں خدمتِ شہ سے جاتے رفیق — کرم ہوں لُطف زبانی رہے
گدایانِ شہ فیض بخشِ انام — بصد شوکتِ خسروانی رہے
گرا خاک پر رکنِ عرشِ جلال — کہاں گردشِ آسمانی رہے
برائے شہِ تشنہ لب ہے سبیل — سخنہائے تر میں روانی رہے
رہے عمر بھر شہ قتیلِ رضا — تمنائے باقی میں فانی رہے
یہ کہتے تھے عابد دمِ غم کشی — قویٰ ہمت ناتوانی رہے
ضماں دار انس و ملک ہیں امام — زمینی رہے آسمانی رہے
ہمیشہ جگر گوشگانِ رسول — ستمدیدہ آسمانی رہے

رہی تیغِ شہ سخت جانوں پہ تیز
کہ سنگ فساں سخت جانی رہے

رہا حسین زہرا اگر رہے خاک پر
کہ اک گلشنِ بیخزانی رہے

اُٹھاتے رہے عابدیں بارِ صبر
توانا تہ ناتوانی رہے

یہ تھی عرض اکبر کہ اُلٹیں صفیں
مگر شاہ کی مہربانی رہے

بچے ایک سجاد ہی قتل سے
کہ آلِ عبا کی نشانی رہے

ہوا قتل بے آب طفلِ حسین
زمانے میں اب خاک پانی رہے

رہا دم میں دم جبتک انصار شاہ
سراپا دم جانفشانی رہے

بہت ناخوشی میں رہے خوش حسین
بہت شاد ناشادمانی رہے

غضب ہے کہ شادِ دلِ اشقیا
کہ شبیر پر بند پانی رہے

ملے شہ کو خونِ جگر داغِ دل
غضب ہے کہ یوں میہمانی رہے

سہارا ہے اکبر پہ شبیر کو
رہے یہ بہار جوانی رہے

گل و سرو و شمشاد باغِ بتول
غضب وقفِ بادِ خزانی رہے

دریغ اکبر نوجواں صد دریغ
کہ محرومِ لطفِ جوانی رہے

زباں پر رہے ذکرِ شہ تشنہ لب
عجب ہے کہ رطب اللسانی رہے

کہا حق سے کچھ اور سدھارے صغیر
زباں اور بے زبانی رہے

ہوئے قتل اکبر پھر اصغر شہید
دلِ شہ پہ یہ داغ ثانی رہے

کھلے سوزِ دل یوں کہ دشمن جلیں
تکلم میں آتش زبانی رہے

نبی کربلا کعبۂ محترم — کہ یہاں آپ کعبہ کے بانی رہے
عیاں شہ میں وہ نور ہیں جو نہاں — پسِ پردۂ لن ترانی رہے
سرِ شاہِ دیں ہے سناں پر بلند — کہ پیدا شکوہِ شہانی رہے
سکینہ تڑپتی ہے سوتے میں بھی — کہیں شاہِ دیں کی کہانی رہے
ملا نور میں نورِ شہ بعد قتل — مکاں میں کہاں لامکانی رہے
رہے خشک لبہائے معجز نما — لبوں کی لبوں پر کہانی رہے
دمِ رخصتِ شاہِ اہلِ حرم — قیامت نمائے جہانی رہے
حقائق کھلیں روئے سبطین سے — کہ صورت میں باب المعانی رہے
وہ بے سر پڑے ہیں سرِ خاک گرم — کہ زہرا کے آرام جانی رہے
چھٹا ہے غضب تیر قامت پسر — کہ شہ غم سے شکلِ کمانی رہے
رہے بھی جو کنبہ میں عابد تو کیا — کہ اک پیکرِ نیم جانی رہے
ہوئے بعدِ عباس اکبر شہید — نگہدار آداب دانی رہے
جو یوسف ہیں اکبر سے اوّل تو ہوں — یہ نقاش کا نقشِ ثانی رہے
بہشتِ بریں ہے جہاں ہے حسین — زمیں پر بھی جنّت مکانی رہے

ملے حُبِّ حیدر پہ انور طہور
کہ مستِ مئے خسروانی رہے

تمت

زحیراں پے سال طبع سروش	بگفتا شگفت گل شام وصل
	۱۳ ھ ۱۷

دیگر

شد طبع چو دیواں جناب انور	گلہائے مضامیں شدہ دستہ دستہ
...یراں زسروش سال طبع پرسید	گفتا کہ بگو خیال ابرو بستہ
	۱۳ھ ۱۷

۱۳ ۷

قطعۂ تاریخ از نتیجہ فکر شاعر نازک خیال روح وروان گلشن سخن
جناب لالہ موہن لال صاحب مطلب ہیڈ ڈویزنل کورٹ لاہور

صاحب جاہ سری رام جی ایم اے منصف	جن کی ہمت ہے بلند اور خیالات رفیع
جن کی کوشش سے چھپا حضرت انور کا کلام	طبع میں جن کے مرتب ہے کمال ترصیع
پے تاریخ بس اے حضرت مطلب کہہ دو	چھپ گیا حضرت انور کا یہ دیوان بدیع
	۱۸ ۶ ۹۹

قطعہ تاریخ من تصنیف شاعر شیریں مقال جناب محمد نور خاں بیدل اجمیری شاگرد
جناب حکیم بہاء الدین خان صاحب بہاء

انور خوش خصال کا جبکہ کلام چھپ گیا	دل کو ہر ایک شخص کے کیسی ہوئی مگر خوشی
طبع کا اُس کے جو ہوا بیدل زار کو خیال	ملہم غیب نے کہا۔ لوح کتاب خرمی
	۱۳ھ ۱۷

قطعہ تاریخ از نتیجۂ فکر فلک پیمائے شاعر شوخ فکر رنگین بیان جناب منشی گوری شنکر صاحب قصیر دہلوی

چھپا جب یہ دیوان مطبوع عالم	ہُوا جان اردو پہ احسان انور
قصیر اس کا میں نے کہا سال ہجری	چھپا خوب دلکش یہ د[illegible]
	١٧[illegible]

ولہ

ہائے انور رشک عرفی و انوری	جس کے مرنے سے مذاق شاعری [illegible]
اُس کے دیواں کی ہے یہ تاریخ برجستہ قصیر	یہ عجائب حضرت انور کا دیواں چھپ گیا ہے
	١٨٩٩ء

دیگر

چھپا غیرت انوری کا یہ دیواں	ضیا بخش ہے ماہِ تابانِ انور
قصیر اس کی تاریخ لکھی ہے ہم نے	کہ ہے خوب یہ نظم دیوانِ انور
	١٩٥٦

از نتیجۂ فکر شاعر شیریں گفتار منشی پیارے لال رونق دہلوی شاگرد مولانا راسخ دہلوی

چو دیوانِ انور شد انوار دلہا	فروغش بعالم چراغ مضامیں
زمین غزل گلزمین معانی	برافلاک رفتہ دماغ مضامیں
کجائید اے جرعہ نوشانِ نکرت	کہ لبریز گشت ست ایاغ مضامیں
رقم سال او گشتہ از حد فکرم	کہ رونق فزا گشت باغ مضامیں
١٢	١٩٤٤

از نتیجۂ فکر ارجمند شاعر شیریں مقال بابو چندی پرشاد صاحب شیدا دہلوی تلمیذ مولانا راسخ دہلوی

صل علےٰ ہے انور مرحوم واہ وا	دیوان وہ چھپا ہے کہ داغ رقیب ہے
۱۳ ۷ وہ رشک دہِ شیخ اصفہاں	نشتر ہے تیر ہے۔ رگِ جاں کے قریب ہے
ر ۸ بل شمع بزم سخنوری	جو کہہ گئے ہیں آپ وہ کس کو نصیب ہے
شیدا یہ سال ہے سر اعدا کو کاٹ کر	ڈنکے کی چوٹ کہہ دے عجیب و غریب ہے
	۱۳ ۵ ۱۸

قطعہ تاریخ از نتیجۂ فکر فلک پیمائے ناظم بےہمتا ناثر یکتا اُستاد یگانہ مالک ممالک سخن رشک طالب و کلیم فخر الشعرا امیر مہدی حسین صاحب مجروح دہلوی از اشرف تلامذہ نجم الدولہ دبیر الملک نواب اسد اللہ خاں غالب مغفور

شاعر آسماں خیال انور	سب ہیں غل جس کی ہے طلاقت کا
ان کا دیواں صفائے معنی سے	بحر ذخار ہے سلاست کا
ہیں جو اشعار دُر نثار اس میں	ان کا کیا وصف ہو لطافت کا
شورش افزائے مضامیں نے	رنگ پھیکا کیا قیامت کا
کم ہیں الفاظ اور بہت مضموں	کیسا برتاؤ ہے بلاغت کا

اُن کے فکر متیں سے الحق
تھی تلاشِ معانئے تازہ
ہے ہر اک شعر میں نیا مضمون
طبع اس واسطے ہؤا دیوان
ہو گی اہلِ مذاق کی دعوت
پھر تاریخ یوں ندا آئی

رُتبہ افزوں ہؤا متانت کا
شوق مدت سے تھا نہایت کا
کیا ٹھکانہ ہے اِس ذہانت کا
ماحصل اس کی ہے یہ غایت کا
تا مزا پائیں اِس حلا...
ہے خزینہ بھی فصا... ...انی رہے

مادہ ہائے تاریخ از نتیجۂ فکر آسمان پیوند صدر نشین بزم سخنوری نگین خا...
معنی پروری ناظم رنگین خیال ناثر عدیم المثال صاحب عالم مرزا عبد الغنی ارشد
از ارشد تلامذہ صاحب عالم مرزا قادر بخش صابر مغفور

عنوانِ تاریخی

گلستان فصاحت - زیب محفل
۱۳۱۷ھ

دفتر اشعار زیبا چھپ گیا
۱۳۱۷ھ
خورشید انور است ایں
۱۸۹۹ع

ہے یہ بزم سخن کا گلدستہ
۱۳۱۷ھ
سخن بہتر ۱۳۱۷ھ - نظم دلفروز ۱۳۱۷ھ

نوٹ: بسبب عدیم الفرصتی مصرعے چسپاں نہ ہو سکے

صحت نامہ اغلاط دیوان انور

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵	۱۰	ہی	ہیں	۳۹	۱	بیٹھک	یہ بیچ
۱۲	۸	لب ہے	لب ہلے	۳۹	۴	جلایا	ہلایا
۱۳	۷	نہیں نہیں	نہیں کہیں	۴۱	۴	آئی	آئے
[illegible]	۴	مری زمین	مری جبین	۴۱	۴	لائی	لائے
[illegible]	۱۳	چھپکے	چُھپکے	۴۴	۳	مگر	ہوا
۱۷	۹	بنیں	نہیں	۴۴	۳	ہے یاد	بھی یاد ہے
۱۷	۱۳	جیسے	جی سے	۴۴	۶	میں قدم	میں ہی قدم
۱۸	۹	کہنا سزا	کہنا ترا	۴۴	۱۰	ہیں میں	میں ہیں
۲۰	۶	اپ کے وہ	آپ کے	۴۵	۱	یاں	یہاں
۲۰	۶	وصل یہ	وصل پہ	۵۰	۷	نغاں	یہاں
۲۷	۱۶	ہائل	حائل	۵۴	۴	کہ کیوں	تو کیوں
۳۱	۱۳	پاس	یاس	۵۴	۸	چاہتے ہو	جلتے ہو
۳۲	۱۳	پھوتوں	جھوٹوں	۵۴	۸	چاہتا	جانتا
۳۲	۱۳	سُچا	سچا	۱۶۱	۵	کورب	کورٹ
۳۵	۱۴	جانئے	جائیٔ	۱۶۳	۴	شیخ اصفہان	شیخ اصفہان

اِطّلاع

اس دیوان کے جملہ حقوق برائے دوام لالہ سریرام صاحب ایم۔اے نے سید عسکری مرزا فرزند مصنّف مرحوم سے خرید لئے ہیں اور دیوان حسب ضابطہ رجسٹری بھی کرادیا ہے۔کوئی صاحب بلا اجازت لالہ صاحب موصوف اِس کے انطباع کا قصد نہ کریں۔جس قدر جلدیں مطلوب ہوں اُن سے یا مالک مطبع رفاہ عام سے طلب فرمالیں۔تاجران کتب کے ساتھ قیمت میں رعایت ملحوظ رہیگی۔جس کتاب پر لالہ سریرام کے دستخط نہ ہونگے وہ مال مسروقہ متصوّر ہوگا۔

المشتہر

سیّد مُمتاز علی مالک مطبع رفاہ عام لاہور